مسلک اعلیٰ حضرت اور جمہور علماء اہلسنت کے افکار ونظریات کا ترجمان

الرّضا

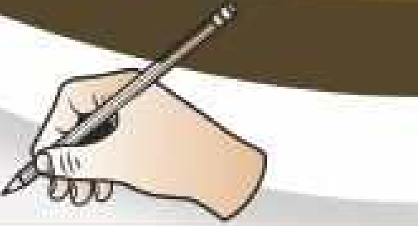
انٹرنیشنل پٹنہ

AL-RAZA (International) Patna

عالم اسلام کو
عید اضحیٰ مبارک



جولائی، اگست ۲۰۲۰ء
Jul. Aug. 2020



اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو سہی

کیا علامہ ڈاکٹر آصف جلالی کی گرفتاری، معاصرانہ چشمک اور مار آستین رافضیت کی فسوں کاری ہے؟؟

باغ فدک کے تحقیقی فتوی کی تصدیق جلیل

"۔۔۔۔۔ میں محترم مولانا جلالی صاحب مدظلہ کو مبارک باد دیتا ہوں، وہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ کسی جرم میں ماخوذ ہو کر نہیں، حضرت فاطمہ زہرا کے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ عقیدۂ حقہ کے تحفظ کی خاطر قید وبند کی مشقتیں جھیل رہے ہیں۔ اس طرح سنت مجدد الف ثانی کی تجدید ہو رہی ہے۔ کیا بعید کہ خدائے قدیر وہادی ان کی اسیری کے صدقے وقت کے "جہاں گیروں" کو ہدایت دے دے۔۔۔۔۔"

فقیر محمد مطیع الرحمن رضوی غفرلہ



وبائی امراض اور تعلیمات نبوی

باغ فدک کے حوالے سے پیدا شدہ بحران پر تحقیقی فتوی

اطلاق خطا اور گستاخی کا شور: ایک جائزہ

باغ فدک کے مسئلہ پر ہنگامہ خیز بحران: حقیقت کی تلاش

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد

مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے
افکار و نظریات کا ترجمان

دو ماہی

الرّضا

انٹرنیشنل پٹنہ

شمارہ نمبر ۳۳ تا ۳۴

جلد نمبر ۵

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

مارچ تا اگست ۲۰۲۰ء

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بطفیل روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ

محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ

محمد مصطفےٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

بفیض روحانی

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ

الشاہ مفتی **اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری** قدس سرہ العزیز

بریلی شریف (اتر پردیش)

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ

ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اتر پردیش)

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دو ماہی 'الرضا' انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد

سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9973362000 / 8521889323

ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

C/o. AL-Qalam Foundation, Behind Shadi Mahal

Khajoorbanna, Sultaganj, Patna - 6 E-mail: alraza1437@gmail.com

Contact / Telegram / Whtsapp : 9835423434, A/c. No.

Md. Amjad Raza Khan, CBI A/c. 3503380262, IFSC Code cbin0283732

Jagan Nath Singh Lane, Chawdhritola, Patna

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434

پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ) نے سبزی باغ سے طبع کرکے دفتر دو ماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

منظومات

کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

حسان الہند امام احمد رضا قادری

نہ عرش ایمن نہ اِنِّیْ ذَاهِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطفِ اُدْنُ یَا اَحْمَدْ نصیب لَنْ تَرَانِیْ ہے

نصیب دوستاں گر اُن کے دَر پر مَوت آنی ہے
خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

اُسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں بلکتے ہیں
اٹھا جاتا نہیں کیا خوب اپنی ناتوانی ہے

ہر اک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جبیں سائی
نگارِ مسجدِ اقدس میں کب سونے کا پانی ہے

ترے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اُس کی
زبانِ بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے

کھلے کیا رازِ محبوب و محب مستانِ غفلت پر
شرابِ قَدْ رَاَی الْحَق زیبِ جامِ مَنْ رَّانِیْ ہے

جہاں کی خاکروبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی اُن گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

شہا کیا ذات تیری حق نما ہے فردِ امکاں میں
کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

کہاں اس کو شکِ جانِ جناں میں زَر کی نقاشی
اِرم کے طائرِ رنگِ پریدہ کی نشانی ہے

ذِیَابٌ فِیْ ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیمِ زبانی ہے

یہ اکثر ساتھ اُن کے شانہ و مسواک کا رہنا
بتاتا ہے کہ دل ریشوں پہ زائد مہربانی ہے

اِسی سرکار سے دنیا و دیں ملتے ہیں سائل کو
یہی دربارِ عالی کنزِ آمال و امانی ہے

دُرودیں صورتِ ہالہ محیطِ ماہِ طیبہ ہیں
برستا امتِ عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

تعالیٰ اللہ استغنا ترے در کے گداؤں کا
کہ ان کو عارِ فر و شوکتِ صاحبِ قِرانی ہے

وہ سرگرمِ شفاعت ہیں عَرَق افشاں ہے پیشانی
کرم کا عطر، صندل کی زمیں، رحمت کی گھانی ہے

یہ سر ہو اور وہ خاکِ در، وہ خاکِ در ہو اور یہ سر
رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

□□□

اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو سہی

کیا علامہ ڈاکٹر آصف جلالی کی گرفتاری، معاصرانہ چشمک اور مار آستین رفضیت کی فسوں کاری ہے؟؟

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد

سن ۲۰۲۰ء ہر اعتبار سے فتنے، آزمائش، درد کرب، آہ اور صدمہ جانکاہ کا سن ہے۔ خاص کر امت مسلمہ کے لئے اور بھی مشکلات و مسائل سے بھرپور ہے، ایک قیامت سے جان چھوٹتی نہیں کہ دوسری قیامت دستک دیتی ہے۔ حساس دل کے گویا ہر لمحہ عذاب جاں ہے اور ڈاکٹر طلحہ صاحب کی زبان میں

لگا کے درد پیوند اوڑھتے رہیے
ہوئی ہے زندگی آج اک عذاب کی چادر

عالمی سطح پر امت مسلمہ تقریبا تین دہائی سے خاک و خون کے دور سے گزر رہی ہے۔ مسلم ممالک کی تاراجی سے لے کر کرونا کی مارا ماری تک، اک عذاب مسلسل ہے جس سے زندگی ہی مفلوج نہیں ہوئی ہمارے احساسات بھی زخمی ہوئے اور اس نے ہمارے ۱۴ر سو سالہ افکار پر بھی اس طرح شب خوں مار دیے کہ حق بولنے والی زبان بھی لکنت زدہ ہوگئی۔ پاکستان میں باغ فدک کے علمی اور اعتقادی مسئلہ کے حوالہ سے بھی جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اسے ہم عالمی سطح پر اسلام کے خلاف ہونے والی منظم سازش سے الگ نہیں دیکھ سکتے۔ آج یہودیت وصیہونیت کی تغلب پسندانہ ذہنیت بعض خانقاہوں میں چھپی رافضیت کے ذریعہ اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتی ہے، جو یقینا اہل سنت و جماعت کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ محبت اہل بیت ہمارے رگ و پے میں پیوست ہے۔ ہم اسے اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اس سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اشعار ہمارے جذبات ہی نہیں عقیدہ کے بھی ترجمان ہیں۔

پارہائے صحف غنچہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا
ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

مگر محبت اہل بیت کا مطلب ہر گز رافضیت نہیں کہ ہم اسے گلے کا طوق بنالیں، شان صحابہ سے کھلواڑ کی اجازت دیں اور سیدہ کائنات کے لئے خطائے اجتہادی (جو معصیت نہیں) کی نسبت جرم عظیم سمجھتے ہوئے سیدنا صدیق اکبر کو ظالم سمجھ لیں۔ آج ہمارے جو علما باغ فدک کے مسئلہ میں علامہ ڈاکٹر آصف جلالی صاحب قبلہ کے خلاف محاذ آرا ہیں انہیں مسئلہ کے ایک پہلو خطائے اجتہادی بھی قبول نہیں'' پر اصرار ہے۔ انہیں بڑی سنجیدگی سے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ان کا اصرار کہیں غیر شعوری طور پر سیدنا صدیق اکبر کے دامن تک تو نہیں پہنچ رہا ہے؟ دنیا حیرت زدہ ہے کہ کل تک جو علما عقیدہ اہل سنت کی وضاحت توضیح اور دفاع واشاعت میں سرگرم عمل تھے آج ۱۴رسو سالہ اس متفقہ عقیدہ کے حوالہ سے کیسے متردد ہو گئے؟ اور وہی بات جو کل تک روافض سے منسوب تھی وہ کیسے ان کی انا کا مسئلہ بن گیا؟

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے سیدہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت ورفعت شان، احادیث کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے ان کی طرف اک خاص مسئلہ اور خاص تناظر میں خطا کی نسبت کی تھی۔ واقعہ کا پس منظر اور سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ خطا سے ان کی مراد خطائے اجتہادی ہے، اہل علم کے لئے بغیر وضاحت کے بھی یہ مسئلہ عیاں تھا، مگر اس کے باوجود جلالی صاحب نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خود ہی اس کی وضاحت کر دی کہ ''اس خطا سے میری مراد خطائے اجتہادی ہے اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں، بلکہ باعث اجر وثواب ہے''۔ اب اگر کوئی اس خطائے اجتہادی کو اردو کے گناہ پر محمول کر کے شہزادی سرور کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گنہگار کہنے پر محمول کرے، جیسا کہ کیا گیا، تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ مگر اس ظلم کو بھی سہتے ہوئے عوام میں پیدا کردہ اضطراب کے پیش نظر جب ڈاکٹر جلالی صاحب نے اس لفظ ہی کو بدل دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ ''اب ہم اس مفہوم کو اس طرح ادا کریں گے کہ سیدہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا معصومہ نہیں اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم نہیں'' اب اس کے بعد کس وضاحت کی ضرورت باقی رہ گئی تھی، کہ ان کو طنز ودشنام کا نشانہ بنایا گیا؟ یہ شریعت ہے یا اپنی طبیعت کا اجتہاد؟ کیا ان کے مخالفین یہ کہہ سکتے ہیں کہ جلالی صاحب کا موقف جماعت اہل سنت کے خلاف ہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ علامہ جلالی کے علمی دلائل کا جواب دلائل سے کیوں نہیں دیتے؟ کیا علمی بحث کا جواب گالی ہے؟

قضیہ کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جو علما سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی کے انتساب پر ''آتش زیر پا'' ہیں ان کے سامنے اہل سنت کے خلاف بکواس کی جاتی ہے، کفریہ کلمات بکے جاتے ہیں اور ان کے اعتقادی موقف کے خلاف چیخ وپکار کی جاتی ہے مگر ان کے کانوں پہ جوں نہیں رینگتی، نہ ان کی شان حجیت برانگیختہ ہوتی ہے۔ اس صدی کا سب سے بڑا جرم بس ''سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی'' کا انتساب ہے، جو انبیائے کرام کی طرف تو منتسب ہو سکتا ہے، سیدہ کائنات کی طرف نہیں۔ اب محفوظ عن الخطا کا مفہوم شاید بے معنیٰ ہو گیا ہے کہ اس سے سیدہ کائنات کی حرمت عظمت اور شوکت کا پورا پورا اظہار نہیں ہو پاتا۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جلالی صاحب کے جوش انتقام میں انبیا اور غیر انبیا کا امتیاز ہی ختم کر دیا گیا، پھر بتایا جائے کہ رافضیت اور کیا ہے؟ اس صورت حال میں کیا کوئی یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ اب بعض خانقاہوں میں دبے پاؤں رافضیت داخل ہو چکی ہے اور جماعت اہل سنت کی ترجمانی کرنے والے علامہ جلالی کے مخالف علما نے خانقاہوں سے اپنے روابط کو جماعتی موقف پر ترجیح دی ہے، جو ان کی زندگی بھر کی جدوجہد سے متصادم ہے کیوں کہ خود انہوں نے بھی زندگی بھر

جماعت اہل سنت ہی کی خدمت کی ہے اور مخالفین کا رد بلیغ فرمایا ہے۔

ان تمام قضیے اور سانحات کو دیکھ کر چند سوالات ہر انصاف پسند افراد کے ذہن میں چبھ رہے ہوں گے، جن کا اظہار یہاں ضروری ہے، یہ سوالات اس لئے اہم ہیں کہ ان سے نفس مسئلہ کی حقیقت وابستہ ہے:

(۱) علامہ آصف جلالی صاحب نے شان صدیق اکبر میں گستاخی کرنے والی جس ملعونہ کے جواب میں خطاب کیا ،اس ملعونہ کے خلاف دیگر سنی علما نے ایکشن کیوں نہیں لیا، کیا اس کی گستاخی قابل معافی تھی اور علامہ جلالی کی گردن زدنی؟

(۲) علامہ جلالی کا سیدہ کائنات کی طرف باغ فدک کے معاملہ میں مطلقا خطا کا انتساب قابل گرفت تھا تو خود قائل کی توضیح کہ اس سے مراد ''خطائے اجتہادی ہے'' قابل قبول کیوں نہیں؟ اس وضاحت کے بعد بھی مطلق خطا والی بات پر مصر رہنا شریعت کے کس قاعدے کا تقاضا ہے؟

(۳) کیا سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی کا انتساب بھی جرم وگناہ ہے؟

(۴) کیا ایسا ہے کہ انبیائے کرام کی طرف خطائے اجتہادی کا انتساب درست ہے اور سیدہ کائنات کی طرف گناہ؟

(۵) جماعت اہل سنت کی ہزار سالہ تاریخ میں جن شخصیات نے غیر انبیا کو معصوم نہیں محفوظ سمجھا اور سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی کے انتساب کو درست مانا کیا وہ مجرم ہیں؟

(۶) حضرت پیر مہر علی شاہ کی کتاب ''تصفیہ بین السنی والشیعہ'' کی وہ عبارت جس کی تصریح پر علامہ جلالی کو مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے اس کی صحیح توضیح وتشریح آخر کیا ہے؟ اگر حقیقۃً متن وشرح دونوں کا مفہوم ایک ہے تو پھر حکم میں تضاد کیوں؟

(۷) کسی شخص کا یہ عقیدہ پیش کرنا کہ حضرت فاطمہ الزہرا انبیا سے بھی افضل ہیں، کیسا ہے؟ کیا عقیدہ اہل سنت یہی ہے؟ اگر نہیں تو اس کے خلاف کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا گیا؟ کیا اس خموشی کو بنیاد بنا کر کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہیں کر سکتا؟

(۸) علامہ جلالی کے خلاف منعقدہ ایک مجلس میں سیدہ کائنات کو ''معصومہ'' کہا گیا، سنی علما مشائخ سنتے رہے، کسی نے اس کے خلاف کوئی تردیدی بیان نہیں دیا، نہ اس سے محاسبہ کیا، کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ مجلس میں شریک سارے خاموش علما ومشائخ اسی عقیدہ کے حامل ہیں؟ اگر ایسا نہیں تو پھر وہاں سکوت سے کام کیوں لیا گیا؟

(۹) جن علما ومشائخ نے علامہ جلالی صاحب کو، جماعت اہل سنت سے خارج کیا، اس کی بنیاد کیا ہے، اور جسے وہ بنیاد بنا رہے ہیں اہل سنت وجماعت کی پوری تاریخ میں اسے کس نے بنیاد بنا کر کس کو جماعت سے خارج کیا ہے واضح کیا جائے۔

(۱۰) نفس مسئلہ کا ایسا کون سا پہلو ہے جس کی بنیاد پر ایک منافق کے لئے نازل ہونے والی آیت کا انطباق علامہ جلالی پر کیا گیا؟ کیا ہمارے سنی علما اس سے اتفاق رکھتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس پر خموشی کیوں؟

ذرا سوچیں! ایک علمی اختلاف کو آج یہاں تک پہنچا دیا گیا کہ اہل سنت کے متفقہ مسئلہ پر رافضیت غالب آ گئی، اور علامہ جلالی کو جیل کی سلاخوں میں ڈال دیا گیا۔ کیا اب بھی آنکھیں نہیں کھلیں کہ ان کا ایک نہیں چھ مخالف وکیل شیعہ ہے اور علامہ جلالی کا وکیل سنی۔ کیا اب بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ علامہ جلالی کا خطاب شیعہ کے رد میں تھا اور آج عدالت میں شیعہ ہی ان کا مخالف ہے۔ کیا اب بھی آنکھوں کی پٹیاں نہیں ہٹیں کہ اب عدالت میں معاملہ شیعہ سنی کا ہے، اہل سنت کے داخلی اختلاف کا نہیں۔

علمائے کرام سبق دیتے آئے ہیں کہ آپس کا انتشار ہی دشمن کے غلبہ کا باعث بنتا ہے جو آج دیکھنے میں آرہا ہے۔ یاد رکھئے! آج اگر علامہ جلالی شیعوں کے لئے خار راہ ہیں تو آپ ان کے دامن کے پھول نہیں کہ وہ آپ سے پیار کریں گے، وہ منتشر کر کے اسی طرح آپ کی صفیں خالی کرتے رہیں گے۔ پھر کوئی جماعت کی پرزور وکالت کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔ خدا وہ دن نہ لائے، اس لئے:

خدارا! یاد کریں آپ اپنی خدمات، اپنا مقام و مرتبہ، اپنی شان علمی اور نیابت رسول کا اعزاز، پھر سوچیں کہ آپ کے غیر مدبرانہ فیصلہ نے جماعت اہل سنت کو کس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، کہ آپ کا ایک جرنیل آپ کے مشترکہ دشمن کے آگے تنہا سینہ سپر ہے، اب بات محض ایک مسئلہ خطا کی نہیں بلکہ وہ سارے اختلافاتی مسائل ان کی قتل کا مدعا بنائے جا رہے ہیں جن کی آپ بھی کبھی علمی وکالت کرتے رہے ہیں۔ بالفرض آپ اگر اس کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر پاتے اور ان کا سہارا نہیں بن سکتے تو کم از کم دشمن کی تقویت کا سامان بھی مت بنئے کہ اہل سنت کے جاں باز مجاہد کا حوصلہ ٹوٹ جائے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ آپ ہمارے بڑے ہیں، آپ کو پڑھ کر ہمیں پڑھنے کا شعور آیا ہے اور آپ کی خدمات کو دیکھ کر ہمارے اندر بھی مسلکی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، آپ ہی اگر رنجش احباب اور معاصرانہ چشمک کے اسیر ہو جائیں گے تو آپ کو پڑھنے اور دیکھنے والے کیا تاثر لیں گے۔ اللہ آپ کی عمر لمبی کرے جتنی جلد ممکن ہو حالات پہ قابو پائیں اور اپنی آج کی جدوجہد کا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے استوار کریں کہ آپ کا اتحاد جماعت کی فتح مندی کی روشن تاریخ ہے۔

□□□

الرضا کا یہ شمارہ!

کرونا وائرس کے سبب پوری دنیا لاک ڈاون کی زد میں ہے۔ نظام زندگی متاثر بلکہ معطل ہے ہمارا ملک عزیز بھی اس کی لپیٹ میں ہے جس کے سبب طباعتی کام تعطل کا شکار ہے اسی وجہ سے الرضا کے کئی شمارے منظر عام پہ نہیں آئے، مگر باغ فدک کے مسئلہ کو لے کر ایسا ماحول بنا دیا گیا کہ سنیت کی حفاظت اور صحیح موقف کی وضاحت کے لیے آن لائن الرضا لانے کا فیصلہ الرضا کی ٹیم نے لیا۔ یہ فیصلہ بروقت ہوا اس لیے خاطر خواہ مضامین اس حوالہ سے نہیں آپائے۔ ان شاء اللہ اگلا شمارہ اس حوالہ سے بھرپور ہوگا۔

بعض مضامین رسالہ نور الحبیب سے ماخوذ ہیں، یہ دراصل الرضا اور نور الحبیب کے مضامین کے تبادلہ کے تحت ہے اس طرح مضامین وسیع حلقہ تک پہنچانے کی راہ کھلے گی۔ ادارہ الرضا اس رضامندی کے لیے ذمہ داران رسالہ نور الحبیب کا شکر گزار ہے۔

قارئین الرضا کا یہ شمارہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور اپنے تاثرت و مشورے سے نوازیں۔

باغ فدک کے مسئلہ پر اظہار خیالات

قارئین! مداحانہ نہیں، اپنے ناقدانہ وحقیقت پسندانہ تاثرات بھیجیں، یہ ہمیں رسالہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

مولانا اشرف آصف جلالی کو رہا کیا جائے

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
سابق صدر شعبہ اردو، بہار یونیورسیٹی، مظفر پور، بہار، انڈیا

مولانا اشرف آصف جلالی ایک جید عالم دین ہیں جن کا حب رسول اور حب اہل بیت دوپہر کے سورج کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کی ہوگی۔ مخالفین اور معاندین نے ان کے خلاف اپنے کسی ذاتی معاملہ کو بنیاد بنا کر محاذ آرائی کی ہے۔ اس لیے حکومت پاکستان سے میری گزارش ہے کہ مولانا محترم کو نا کردہ گناہوں کی سزا نہیں دی جائے اور انہیں جلد باعزت طور پر رہا کیا جائے۔

ایک عالم کی موت اگر ایک عالم کی موت ہوتی ہے تو ایک عالم کی تذلیل بھی ایک عالم کی تذلیل ہے۔ اس لیے حکومت پاکستان اپنی مذہبی اور اخلاقی ذمے داری محسوس کرتے ہوئے انہیں جیل سے آزاد کرے۔

□□□

علامہ جلالی اپنوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئے

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری
مدرسہ دینیہ غوثیہ، امام گنج، مظفر پور، بہار، الہند

حضرت علامہ ڈاکٹر آصف جلالی صاحب قبلہ کی شخصیت عالمی سطح پر بہت نمایاں ہے آپ جماعت اہل سنت کے ممتاز عالم دین، بالغ نظر فقیہ، شریں بیاں خطیب، عمدہ ادیب، مخلص قائد اور مسلک رضا کے شارح و ترجمان ہیں۔ آپ کی پوری تقریر علمی نکات، قرآنی آیات، احادیثی کلمات اور فنی بصیرتوں سے آراستہ ہوتی ہے۔ تحریر میں بھی نہایت معقولیت، معنویت، فکری ارتقا اور خیال کا ترفع ہوتا ہے۔ ابھی کچھ ماہ قبل ڈاکٹر صاحب قبلہ نے باغ فدک پر گفتگو کرتے ہوئے جگر گوشہ رسول، سیدہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے سے فرمایا کہ سیدہ خطا "خطا اجتہادی" پر تھیں اس لفظ پر مخالفین نے آسمان سر پر اٹھالیا اور آپ کی علمی جلالت کو مجروح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس سے بھی جی نہ بھرا تو ان کے خلاف مقدمہ درج کرا کے انہیں جیل رسید کر دیا مگر افسوس اس بات پر ہے کہ اس قضیہ میں اہل سنت و جماعت کے کچھ علماء بھی انہیں گمراہ نظریات کی حمایت کر رہے ہیں جو سراسر موقف اہل سنت کے خلاف ہے اہل سنت و جماعت کے نزدیک جماعت انبیاء و ملائکہ علیھم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ پاک نے اپنے بہت سے محبوبوں کو خطا سے پاک رکھا ہے تو یہ اس کے کرم و عنایات کی بات ہے۔ سرکار امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے لے کر اب تک سارے علمائے اہل سنت کا یہی عقیدہ متوارثہ ہے مگر برا ہو مسلکی عصبیت کا کہ علامہ جلالی کی علمی شہرت، فکری طنطنہ اور لسانی طمطراق مخالفین کو برداشت نہیں ہوئی اور حیرت کی بات یہ کہ ہمارے کچھ سنی علماء بھی گمراہ نظریات کے حامل افراد کے ساتھ مل کر اس مسئلہ کو ہوا دینے لگے جس کے نتیجے میں ڈاکٹر آصف جلالی صاحب قبلہ کو جیل جانا پڑا مگر وہ مرد حق آگاہ اور علی کا شیر آج بھی اپنے موقف پر قائم ہے جنہیں نہ موت کا خوف، نہ جیل کی سلاخوں کا ڈر، اور نہ کسی کی لعن طعن کی پرواہ بلکہ ایسے پر خطر ماحول میں بھی حسن عقیدہ کا چراغ جلائے ہوئے اپنے کردار و عمل اور پاکیزہ فکر و نظر سے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام حنبل رضی اللہ عنہما کی یاد تازہ فرما رہے ہیں جو بلاشبہ یہ

ان کے تصلب فی الدین، علمی گیرائی وگہرائی، فکری بلندی اور عقیدہ راسخہ کی واضح دلیل ہے۔ خدا انہیں سلامت باکرامت رکھے تا کہ حق گوئی کی فضا کو تازگی ملتی رہے اور مسلک کا تقدس قائم رہے۔ میں جلالی صاحب قبلہ کے اس نظریے کی بھرپور تائید کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ انہیں جلد از جلد رہا کرے اور جب یہ بات خالص علمی ہے تو علمی میز پر بیٹھ کر بحث و مباحثہ کی راہ ہموار کی جائے تا کہ لوگوں کے درمیان حق پوری طرح واضح ہوجائے

□□□

یہ فتنہ انگیزی نہیں فتنے کی سرکوبی تھی!!

مولانا محمد حیدر رضا مصباحی

خطائے اجتہادی کے قول کو گستاخی قرار دینا سراسر ظلم و زیادتی ہے کہ اس پر تو خود ایک اجر ملتا ہے، اس لیے اس پر طوفان مچانا بالکل بھی دانش مندی نہیں ہے، یاد رہے شریعت کا اپنا مزاج ہے، وہ ہمارے یا کسی اور صاحب کے جذبات اور احساسات (خواہ کتنے ہی صادق کیوں نہ ہوں) کے تابع نہیں۔

یقین مانیں! کچھ روشن خیالوں کی تحریریں دیکھ کر مجھے حد درجہ افسوس ہوا۔ یہ لوگ تصویر کے اس رخ (اور یہی اس پورے معاملے کا اصلی محرک ہے) کو نظر انداز کر جلالی صاحب پر بلا وجہ فرقہ پرستی کے الزامات داغے چلے جا رہے ہیں اور اس بات پر تعجب بھی کہ پاکستان جو اپنے آپ کو اسلامی (سنی) ریاست کہتا ہے، وہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کھلی گستاخی کرنے والا تو آزاد دندناتے پھر رہا اور جس نے ناموس صدیق کی پہرے داری میں ایک بات کہی جو مقام بتول کے غیر مناسب ضرور تھی، گستاخی یا توہین ہرگز نہیں؛ اسے گرفتار کر جیل بھیج دیا گیا۔

میرے نزدیک اس معاملے کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ پچھلے کئی برسوں سے سنیوں میں رافضی/تفضیلی نظریات عام کرنے کی شعوری یا لاشعوری طور پر کوششیں چل رہی ہیں۔ چاہیے وہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی آڑ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیصِ شان کا معاملہ ہو؛ حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دفاع کے پس پردہ موجودہ طوفان یا پھر یوم غدیر خم منانے اور اس کی مبارک باد دینے کا معاملہ۔۔۔

اگر جلالی کیس کا یہ پس منظر نہیں ہوتا تو ہم ضرور ان کے مذکورہ بیان کی مذمت کرتے کہ یہ بلا وجہ مشاجرات صحابہ کو چھیڑنے کی سعی ہوتی، چوں کہ معاملہ دفاع صدیق اور اظہار صواب کا ہے، اس لیے ہم اس مسئلے میں ان کے ساتھ ہیں اور ویسے بھی راقم ذاتی طور پر فرقہ وارانہ اختلافات بھڑکانے کو پسند نہیں کرتا، جن حالات سے ہندی مسلمان آج دو چار ہیں، ان میں تو بالکل بھی نہیں، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا یہ فتنہ انگیزی نہیں تھی، بلکہ ایک فتنے کی سرکوبی کے لیے اہل سنت کے متفقہ مسئلے کا بیان تھا (ہاں! تعبیر میں ابتداء چوک ضرور ہوئی، توجہ دلانے کے بعد جس کی اصلاح خود صاحب معاملہ نے کردی) اور اگر اسے بھی فتنہ، فرقہ پرستی کا نام دے دیا گیا تو پھر حق کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا۔ قتل ناحق بہت بڑا گناہ ہے، مگر قصاص میں قتل کو قرآن پاک نے عقل والوں کے لیے حیات سے تعبیر کیا ہے (یہ کوئی تشبیہ و تمثیل نہیں ہے، بس تقریب فہم کے لیے ایک بات عرض کردی)

اور اگر یہ پرآشوب حالات ہمیں دفاع ناموس صدیق سے روک رہے ہوں تو پھر اس زندگی اور دنیاوی حصول یابیوں کا کیا کرنا جہاں بہتوں کا عقیدہ ہی خطرے میں پڑ جائے۔

□□□

اظہار تعزیت بروفات مفتی محمد عابد جلالی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

خطیب وامام مسجد محبوب سبحانی، وصدر المدرسین دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی انڈیا
، وبانی وسرپرست: نور ایمان اسلامک آرگنائزیشن کرلا ممبئی انڈیا

کنز العلما، اکمل الفضلا، مفکر اسلام حضرت علامہ و مولانا ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب دامت برکاتک العالیہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ آپ کے برادر اصغر، مناظر اسلام، شیر اہل سنت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عابد صاحب جلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، قلب نازک کو جھنجھوڑ دینے والے پیہم صدموں کی تاب نہ لاکر قضائے الٰہی سے

انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

راقم آپ کی اور جملہ پسماندگان کی بارگاہ میں "تعزیت" پیش کرتا اور اپنے شدید رنج وغم اور صدمے کا اظہار کرتا ہے۔

آپ علیہ الرحمہ کا اچانک ہمارے درمیان سے چلا جانا یقینا اہل سنت و جماعت کا ایسا عظیم خسارہ ہے جس کی تلافی بہت مشکل سے ہو سکے گی۔ دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل قبلہ مرحوم کو حضرت خاتون جنت سیدہ کائنات سیدتنا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے صدقے وطفیل غریق رحمت فرمائے اور جملہ اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوسری بات یہ کہ:

حالیہ متنازعہ فیہ مسئلہ میں ناچیز آپ کے موقف کی مکمل تائید کرتے ہوئے آپ کی استقامت وعزیمت کو سلام پیش کرتا ہے۔

راقم آپ کے بیانات وخطابات سے ایک زمانے سے مستفید ومستنیر ہو رہا ہے۔ ایوان رافضیت ہو یا ایوان وہابیت، ایوان ناصبیت ہو یا نیم رافضیت، آپ کے مجاہدانہ کارناموں سے آج ہر ایوان باطل لرزہ براندام ہے۔

آپ نے اگر ایک طرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر بھونکنے والے جہنمی کتوں کو منہ توڑ جواب دیا ہے تو دوسری طرف اہل بیت کرام علی جدہم وعلیہم الصلوۃ والتسلیم کی شان اقدس کو گھٹانے کی ناپاک کوشش کرنے والوں کو ناقابل تردید دلائل و براہین سے ان کے انجام تک پہنچایا ہے۔

آپ اپنے موقف کو یعنی منہج اہل سنت کو نہایت مضبوط دلائل سے بیان فرماتے ہیں۔ مدمقابل کو کبھی بھی گالی گلوج سے نہیں نوازتے۔ جب کہ مخالفین جواب سے عاجز آ کر بدتمیزی اور سب وشتم پر اتر آتے ہیں۔

یہ آپ کی حقانیت وصداقت کی ایک پختہ دلیل ہے۔ آج اہل سنت کی حسین وادی میں بدبودار جانور گھس آئے ہیں، آپ چن چن کر ان کا شکار کر رہے ہیں؛ تا کہ اہل سنت کی خوب صورت وادی تعفن کا شکار نہ ہو۔ آج اہل سنت کے بارونق باغ میں خبیث فطرت رکھنے والے گدھ آ کر ماحول کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ آپ عقاب بن کر ان پر جھپٹ رہے ہیں اور اپنے آہنی پنجوں سے ان کے سینے زخمی کر رہے ہیں؛ تا کہ ان کی سانسیں رک جائیں اور اہل سنت کے لہلہاتے باغ کا پرسکون ماحول خراب نہ ہو۔

اللہ عزوجل آپ کا سایہ دراز فرمائے اور آپ کی رہائی کے اسباب مہیا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

□□□

تعزیت بروفات حضرت مفتی عابد صاحب جلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ادارہ الرضا علامہ جلالی کے اہل خانہ کے غم میں برابر کا شریک ہے!

قبلہ علامہ آصف اشرف جلالی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ افسوس ناک اطلاع موصول ہوئی کہ آپ کے برادر مکرم حضرت علامہ مفتی محمد عابد صاحب جلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حالیہ بحران اور پے درپے صدمات سے جانبر نہ ہو سکے اور قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ اللہ سبحانہ ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل اور اس پر اجر عظیم عطا فرمائے۔

ساتھ ہی یہ بھی خبر موصول ہوئی کہ آپ کے والد گرامی بھی اپنوں، بیگانوں کی فسوں کاری اور دشنام طرازی سے صدمے میں ہیں اور سخت علیل ہیں، ادارہ الرضا ان کے جلد صحت یابی کی دعا کرتا ہے کہ رب قدیر انہیں جلد شفائے کلی عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہم سب پر قائم رہے۔

آپ جملہ اہل خانہ کے اس مشکل گھڑی میں اپنی تمام تر نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ نیز آپ کے دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت کی تمام مساعی جمیلہ میں ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ رب قدیر آپ کو صبر ورضا کا پیکر بنائے اور ان مشکل ترین اوقات میں ثابت قدم رکھے۔ آمین

(مدیر)

□□□

باغ فدک کے حوالہ سے
پیدا شدہ بحران پر تحقیقی فتوی

مفتی نذیر احمد سیالوی

اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمارے سروں کا تاج ہیں ان کی و دیگر تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت وشان اور عقائد اہل سنت کا تحفظ ہمارا فریضہ ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ عقائد اہل سنت افراط وتفریط کی بدعات سے پاک اور منزہ ہیں۔ اس لیے کہ اہل سنت کا نصب العین اتباع شریعت مطہرہ ہے نہ کہ خواہش نفس کی پیروی اور یہی اہل سنت کا طرۂ امتیاز ہے اور عوام اہل سنت کو اعمال کے ساتھ عقائد اہل سنت کی تعلیم دینا بھی علماء کرام کے فرائض سے ہے تاکہ وہ گمراہی اور بدعقیدگی سے دور رہیں، اب جبکہ بدعقیدگی اور گمراہی کی تبلیغ عام ہو رہی ہے تو عند اللہ تعالیٰ براءت ذمہ کے لیے مذکورہ بالا مسئلہ کی شرعی حیثیت اور عقیدۂ اہل سنت کا بیان لازم اور ضروری سمجھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کے نزدیک حضرات اہل بیت اطہار وغیر اہل بیت تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے محبت، حسنِ عقیدت اور ان کی تعظیم اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ ہونا ضروری ہے اور حضرات اہل بیت اطہار کے ساتھ بوجہ قرابتِ رسول کریم ﷺ بھی محبت اور احترام چاہیے لیکن تعظیم وتکریم میں شرعی حدود ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے، شریعت مطہرہ کا احترام نہ کیا جانا ہی گمراہی اور بدعقیدگی عام ہونے کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ آج بھی اگر یہ لوگ شریعت کا احترام کریں تو ان کے تمام مغالطے دور ہو جائیں گے۔

لیکن المیہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے اختلاط کی وجہ سے یہ مصیبت ادھر بھی آگئی ہے، بہت سارے لوگ اپنے ذوق ہی کو حرف آخر سمجھ رہے ہیں۔

گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ ہی نے رعایت مراتب کی تعلیم دی ہے اس لیے سنیت میں رفض وخروج اور ناصبیت میں سے کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ سنی مزاج میں شریعت مطہرہ کی پاسبانی کرنا ہوگی اور کسی کی ذوقی سنیت ہرگز قبول نہیں کی جائے گی بلکہ تحقیقی سنیت مانی جائیگی۔ بفضل اللہ تعالیٰ مذہب حق، مذہب مہذب، مذہب اہل سنت وجماعت مدون ہے، کوئی صدری نسخہ نہیں ہے۔ مذہب اہل سنت کی پابندی اور اس سے وفاداری سب پر لازم اور ضروری ہے۔ شریعت مطہرہ کے آگے سر تسلیم خم کرنا سب پر فرض ہے۔ مسئلہ عصمت میں مذہب اہل سنت وجماعت یہ ہے کہ انسانوں میں معصوم صرف حضرات انبیاء کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جبکہ شیعہ اور روافض حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو بھی معصوم مانتے ہیں اور ان کی عصمت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت سے بھی اعلیٰ مانتے ہیں۔ اصول فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب "مسلم الثبوت" کی شرح فواتح الرحموت میں بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا:

وایضاً قد تطلق علیٰ عدم صدور ذنب لا عمدا ولا سهوا ولا خطأ ومع ذلك عدم الوقوع في خطأ اجتهادي في حكم شرعي وهذا هو محل الخلاف بيننا وبينهم فهم قالوا: اهل البيت معصومون عن ذلك كله من انواع الذنوب وانواع الخطأ. يدعون ان

فتواهم كقول الانبياء فی وجوب الاتباع و كونه من الله تعالیٰ (الی ان قال) وعندنا العصمة بهذا الوجه مختصة بالانبياء فيما يخبرون بالوحی وما يستقرون عليه واهل البيت كسائر المجتهدين يجوز عليهم الخطأ فی اجتهادهم وهم يصيبون ويخطئون و كذا يجوز عليهم الزلة وهی وقوعهم فی امر غير مناسب لمرتبتهم من غير تعمد (الی ان قال) لنا ماتواتر عن الصحابة والتابعين من انهم كانوا المجتهدين ويفتون خلاف ما افتی به اهل البيت ولم ينكر ولم يعب احد علی احد بل لم يخطئ احد من مخالفة اهل البيت فی الحكم ولم يقل احد بفساد اجتهاد من قال بخلافه ۔ وهذا يفيد علما ضروريا بان كل واحد من الأئمة بل المقلدين أياهم أيضا من الصحابة ومن بعدهم كانوا عالمين بعدم العصمة عن الخطأ الاجتهادی ويفيد أيضا علما ضروريا بأن أهل البيت أيضا كانوا عالمين بعدم عصمة أنفسهم من هذا الخطأ الاجتهادی ألم تر كيف رد ابن مسعود قول أمير المؤ منين علی فی عدة الحامل المتوفی عنها زوجها (الی ان قال) فقد بان لك أن الإجماع القطعی الداخل فيه اهل البيت حاكم بان لا عصمة فی اهل البيت بمعنی عدم جواز الخطأ الاجتهادی منهم فاحفظه ۔ ولنا أيضا قوله تعالی: فأن تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول النساء :۵۹ وأهل البيت أيضا داخلون فی الخطاب ففرض عليهم حين التنازع أزاحته بالرد علی الكتاب والسنة ، ولم يعب علی منازع أهل البيت فی الاحكام بشیء وأيضا لم يقل وأهل بيته ، فافهم (فواتح الرحموت ۲/۲۲۸۔ ۲۴۰)

حاصل عبارت یہ ہے کہ عصمت کا اطلاق کبھی گناہ کے عدم صدور پر کیا جاتا ہے کہ نہ عمداً صدور ہو اور نہ سہواً اور نہ خطاء، اور اس کے ساتھ (مزید یہ کہ) حکم شرعی میں اجتہادی خطا میں واقع نہ ہونا۔ یہ محل خلاف ہے ہمارے اور شیعہ وروافض کے درمیان۔ انہوں (شیعہ) نے کہا ہے کہ اہل بیت گناہوں کی تمام انواع اور خطا کی تمام انواع سے معصوم ہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اہل بیت کا فتویٰ (اس کی) اتباع واجب ہونے اور اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قول کی مثل ہے۔ (تا) اور ہمارے نزدیک اس معنی میں عصمت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قول کی مثل ہے۔ (تا) اور ہمارے نزدیک اس معنی میں عصمت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص ہے اور اس میں جو وحی الٰہی کے ساتھ خبر دیتے ہیں اور اجتہادی امور میں جس پر ثابت اور برقرار رہتے ہیں۔ اور اہل بیت باقی مجتہدین کی مثل ہیں، ان کے اجتہاد میں ان پر خطا جائز ہے۔

اہل بیت مصیب بھی ہوتے ہیں اور مخطی بھی ہوتے ہیں، اسی طرح ان سے زلت کا صدور بھی جائز ہے۔ زلت کا مطلب ہے بغیر قصد اور ارادہ کے کسی ایسے امر میں واقع ہو جانا جو ان کے مرتبہ اور مقام کے مناسب نہ ہو (تا) ہماری دلیل: جو متواتر ہے صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہ بیشک وہ مجتہد تھے اور (بعض مسائل میں) اہل بیت کے فتویٰ کے خلاف (بھی) فتویٰ دیتے تھے اور کسی ایک نے کسی پر بھی نہ انکار کیا اور نہ عیب لگایا بلکہ حکم شرعی میں (اجتہاد میں) اہل بیت کی مخالفت کرنے سے کوئی شخص مخطی نہیں ہو جاتا اور نہ کسی نے اس مجتہد کے اجتہاد کے فساد کا قول کیا جس نے اہل بیت کے موقف کے خلاف قول کیا ہو۔ اور یہ اس امر کے علم ضروری کا فائدہ دیتا ہے کہ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام ومن بعدہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میں سے تمام ائمہ کرام بلکہ ان کے مقلدین بھی اہل بیت کا خطاء اجتہادی سے معصوم نہ ہونا جانتے تھے۔ اور یہ اس امر کے علم ضروری کا بھی افادہ کرتا ہے کہ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان خود بھی جانتے تھے کہ وہ اجتہادی خطا سے معصوم نہیں ہیں۔

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کیسے رد کر دیا، اس حاملہ خاتون کی عدت کے بارے میں جس کا خاوند فوت ہو جائے (تا) پس ضرور ظاہر ہو گیا تیرے لیے کہ بیشک اجماع قطعی، جس میں

اہل بیت بھی داخل ہیں، حکم لگا تا ہے کہ بیشک اہل بیت میں عصمت بمعنی عدم جواز خطاء اجتہادی نہیں ہے۔ پس اس تحقیق کو محفوظ کر لے۔
اور ہماری دلیل قرآن کریم سے بھی ہے قول باری تعالی:

''فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول'' پھر اگر تم کسی شئ کے بارے میں باہمی نزاع کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو (یعنی قرآن وحدیث پر پیش کرو) اور اہل بیت بھی اس خطاب میں داخل ہیں تنازع کے وقت ان پر بھی فرض کیا ہے اس کا ازالہ اور اسے دور کرنا کتاب وسنت پر پیش کرنے کے ساتھ اور احکام میں اہل بیت کے ساتھ منازعہ کرنے والے پر عیب نہیں لگا یا نیز اللہ تعالی نے یہ بھی نہیں فرمایا: فردوہ الی اللہ والرسول واھل بیتہ ۔ کہ اس نزاعی امر کو اللہ اور رسول اور رسول کے اہل بیت کیطرف رد کرو۔

مختصر تبصرہ:

فواتح الرحموت کے مصنف بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی رضی اللہ تعالی عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جنھیں بڑے بڑے اکابر بھی بحر العلوم ہی مانتے ہیں یعنی علوم کا سمندر۔ امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز بھی بحر العلوم کہہ کر ان کی تحقیقات پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں ''فتاویٰ رضویہ'' تو حضرت بحر العلوم نے یہ مسئلہ اس قدر وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ کوئی ابہام اور شبہ باقی رہتا ہی نہیں۔''

اور انھوں نے تمام اہل بیت کے بارے میں حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر تمام ائمہ اہل سنت اور ان کے مقلدین کا موقف اور نظریہ وعقیدہ بیان فرمایا ہے کہ حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان بھی باقی مجتہدین کی طرح ہی ہیں وہ مسائل شرعیہ میں مصیب بھی ہوتے اور مخطی بھی ہوتے ہیں۔ ان کے اجتہاد میں ان پر خطا جائز ہے ''یجوز علیھم الخطاء فی اجتھادھم'' بغور ملاحظہ کرلیں۔ یعنی جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں خطا پر ہوں حضرات صحابہ کرام اور باقی تمام ائمہ اور ان کے مقلدین جانتے تھے کہ اجتہادی خطا سے اہل بیت معصوم نہیں ہیں۔

''ھذا یفید علما ضروریا بان کل واحد من الائمۃ بل المقلدین ایاھم ایضا من الصحابۃ ومن بعدھم کانو اعالمین بعدم العصمۃ عن الخطا الاجتھادی''

بغور ملاحظہ کرلیں۔ یہاں علم ضروری، علم استدلالی کا مقابل ہے۔

''یفید ایضا علما ضروریا بان اھل البیت'' الخ
خود اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو اس بات کا علم ہے کہ ہم اجتہادی خطا سے معصوم نہیں ہیں۔

حضرات چار تن پاک علیہم الرضوان میں سے سب سے زیادہ علم والے تو حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں مسائل شرعیہ میں ان کے بعض اقوال کو حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رد کیا ہے۔

الم تر کیف رد ابن مسعود قول امیر المؤمنین علی فی عدۃ الحامل الخ۔

کتب حدیث میں یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے مسئلہ مذکورہ میں حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کے ابعد الاجلین والے موقف کو صرف خطا ہی نہیں سمجھا بلکہ قطعی خطا جانا ہے اس لیے کہ آپ نے مباہلہ کی دعوت دی ہے۔ ''من شاء باھلتہ'' جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرتا ہوں کہ سورۂ نساء قصرا، سورۂ بقرہ کی آیت ''والذین یتوفون منکم'' الایۃ۔ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ مباہلہ تو اس صورت میں ہی کیا جاتا ہے جب دوسرے فریق کے موقف کو قطعی اور یقینی خطا سمجھا جائے۔ اور دوسرے ائمہ کرام کی اکثریت نے بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے قول پر عمل کیا ہے۔

'' فقد بان لك ان الاجماع القطعی الداخل فیہ اھل البیت حاکم الخ۔

بغور ملاحظہ کرلیں، حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالی نے فرمایا: اجماع قطعی، جس میں اہل بیت بھی داخل ہیں حاکم ہے کہ اہل بیت سے اجتہادی خطا جائز نہ ہونے کے معنی میں اہل بیت میں کوئی عصمت نہیں اور پھر اسے قرآن کریم سے بھی ثابت کیا۔ وللہ الحمد۔

حضرت بحر العلوم رضی اللہ تعالی عنہ کی تحقیق سے وہ لوگ اپنی اصلاح کرلیں جو سراسر غلط دعوی کر رہے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی طرف خطا کی نسبت آج تک کسی نے کی ہی نہیں۔ جب تمام اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے بارے میں حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر اجماعی مذہب اور اجماعی

نظریہ وعقیدہ یہ ہے جو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا موقف میراث نبوی کے بارے میں نص صریح کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کے خطا ہونے پر اجماع صحابہ کرام علیہم الرضوان ہے اور ایسے ہی بعد والی ساری امت میں شیعہ وروافض کے سوا تمام امت کا اس کے خطا ہونے پر اجماع ہے، تو پھر ایسے دعاوی کا کیا جواز ہے؟ ان حضرات نے قول نہ کرنے اور قائل نہ ہونے کا مطلب ایک ہی سمجھ رکھا ہے حالانکہ قائل نہ ہونے کا مطلب معتقد نہ ہونا ہے اور عدم قول عدم اعتقاد کو مستلزم نہیں ہے۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرات انصار علیہم الرضوان نے ریاست مدینہ کا امیر انصار سے منتخب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جو حدیث متواتر ''ائمہ من قریش'' کے خلاف ہونے کی وجہ سے بلا شک وشبہ خطا تھا (شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح الباری میں فرمایا: میں نے کوئی چالیس صحابہ کرام کی روایت سے اس حدیث کے طرق جمع کیے ہیں) اس فیصلہ کے خطا ہونے پر بشمول انصار تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے، ایسے ہی بعد والی تمام امت کا بھی اجماع ہے۔ جب اس فیصلہ کرنے میں حضرات انصار علیہم الرضوان کے خطا پر ہونے پر اجماع امت ہے، تو اس کے باوجود کیا ائمہ کرام کی تصریحات کوئی فاضل پیش کر سکتا ہے کہ حضرات انصار علیہم الرضوان اس وقت خطا پر تھے؟

جب مسئلہ خلافت میں حدیث نبوی کے خلاف رائے اور موقف کا خطا ہونا یقینی ہے اور اس پر اجماع امت ہونا ثابت کرنے کے لیے کسی امام کی تصریح پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ مطالبہ تصریح درست ہے تو اسی طرح مسئلہ میراث نبوی میں حدیث نبوی کے خلاف موقف کا خطا ہونا بھی یقینی ہے تو اس پر اجماع امت ہونا، ثابت کرنے کے لیے بھی کسی امام کی تصریح اور قول پیش کرنے کی نہ حاجت اور ضرورت اور نہ ہی مطالبہ درست ہے۔ کیونکہ علمائے حق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی صریح حدیث کے خلاف موقف کو خطا یقین نہ کرتا ہو جس حدیث کے معنی ومراد کے تعین پر بھی حضرات صحابہ کرام علیہم الروان کا اجماع ہو۔ وللہ الحمد فی الاولی والآخرۃ

نیز اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ ایک طرف سنیت کے لبادہ میں رافضیت گھس آئی ہے اور پوری طرح اپنے پنجے گاڑ چکی ہے، سنیت کے دعویٰ کے باوجود مذہب اہل سنت کے اجماعی عقائد کا انکار بھی کیے جا رہے ہیں کبھی حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت پر اجماع صحابہ کرام علیہم الرضوان ہونے کا انکار ہے۔ کبھی افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ہے، کبھی ایمان ابی طالب نہ ماننے والے تمام اہل اسلام کو خارج از اسلام قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف ہمارے مخالف فرقہ نے اس طرح منہ کھولا ہے بالخصوص حضرات شیخین کریمین رضی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ایسی غلیظ زبان استعمال کی جا رہی ہے کہ بازاری زبان بولنے والے بھی سن کر کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور حضرات اہل بیت کو مظلوم قرار دے کر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے تو ایسے حالات میں حقیقت واقعیہ کی وضاحت کرنا علمائے اہل سنت کا فریضہ ہے اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید رکھتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ وہ محفوظۃ عن الخطاء ہیں لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ ہیں نہ یہ کہ مسائل شرعیہ اور احکام شرعیہ کی تحقیق میں ان سے کوئی خطا نہیں ہو سکتی۔ خطا لفظ مشترک ہے اس کے متعدد معانی ہیں۔ ایک معنیٰ گناہ ہے اور دوسرا معنیٰ ضد صواب ونقیض صواب یعنی ناراست ہے (جو صواب اور درست نہیں)

احکام شرعیہ میں کسی فقیہ عالم کو غلطی لگ جانا گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرنا نہیں ہے بلکہ وہ خطا بمعنیٰ ضد صواب ہے یعنی اس کا موقف صواب اور درست نہیں ہے۔ میراث نبوی کے مسئلہ میں انھیں غلطی لگ گئی تھی اس پر حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد بھی شیعہ وروافض کے سوا ساری امت کا اجماع ہے، محفوظۃ عن الخطاء ہونے سے میراث نبوی میں خطا واقع نہ ہونے پر استدلال تو خلط مبحث اور سنگین غلطی ہے یا بالا رادہ دھاندلی اور دھوکا دہی ہے۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیہم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

نتیجہ کلام:

جب مسئلہ میراث نبوی میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے موقف اور اس پر مبنی مطالبۂ میراث کا خطا ہونا قطعی ہے کیونکہ نص صریح کے معنی مقصودی کے خلاف ہے اور اس کے خطا ہونے پر حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے اور میراث نبوی نہ ہونے کے عقیدہ قطعیہ جو قطعیات اسلام اور ضروریات مذہب اہل سنت وجماعت سے ہے، پر ایمان کے لیے اسے قطعی اور یقینی خطا جاننا لازم اور ضروری ہے۔ اور اس کو خطا نہ ماننا حدیث نبوی: ''لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ'' اور اجماع صحابہ کرام بر عدم میراث خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطا قرار دینے کے مترادف ہے۔ جس کی سنگینی اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

تو ایک سنی عالم دین کے اسے خطا کہنے کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بہت بڑی جسارت اور بے ادبی قرار دے کر اس سے علانیہ رجوع اور توبہ لازم ہونے کا فتویٰ دینا، در حقیقت سنیت سے علانیہ رجوع اور توبہ کر کے رافضیت اختیار کرنے کا فتویٰ ہے۔ **نعوذ باللہ من ذلک۔**

اس لیے ایسے تمام لوگوں پر توبہ فرض ہے جنہوں نے اس سنی فاضل سے رجوع اور توبہ کا تقاضا کیا یا لاتعلقی کا اعلان کیا یا انھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گستاخ اور بے ادب جانا۔

اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے میراث نبوی کے مسئلہ اور مطالبۂ میراث میں خطا پر ہونے کا اقرار واعتراف بھی لازم اور ضروری ہے۔

اور جن لوگوں نے مقدمے درج کروائے یا اسمبلی میں قرارداد پیش کی یا اس کی حمایت اور تائید کی یا حکمرانوں کو خطوط لکھے سب پر توبہ لازم ہے اور ان قراردادوں اور مقدمات کا فوری خارج کیا جانا بھی لازم اور ضروری ہے۔

وطن عزیز کی سرزمین کسی حکمران کی جاگیر نہیں ہے کہ جیسے چاہے تصرف کرے۔ وہ تو اس کا محافظ ہے اور وہ خادم اسلام ہوتا ہے نہ کہ خادم کفر۔ اس لیے ضد نہ کی جائے شریعت مطہرہ کی حدود کا احترام کیا جائے۔ بلکہ خود اسمبلیوں کے اندر ہی بڑی بڑی گستاخیاں کی جا رہی ہیں ان کے خلاف کوئی قرارداد پیش نہیں کی گئی۔

جبکہ اس سنی عالم دین نے صراحتاً تو درکنار اشارۃً اور کنایۃً بھی گستاخی کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ بیان کیا ہے۔

اگر وہ شیعہ اور روافض کے عقیدہ کے مطابق گستاخی بنتی ہے جو اہل بیت کرام کو حضرات انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی افضل جانتے ہیں جو کفر ہے تو انھیں اہل سنت کی مسلکی آزادی سلب کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟

جو لوگ قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ کی لاریب اور محفوظ کتاب ہونے پر ایمان نہیں رکھتے (ان کے اکابر اور ائمہ کا یہی عقیدہ ہے اور موجودہ لوگ ان کو اپنا امام مانتے ہیں) اور حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور بالخصوص حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فحش گالیاں دے رہے ہیں وہ با ادب ہو گئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام حضرات اہل بیت وغیرہ اہل بیت علیہم الرضوان کی تعظیم وتکریم کرنے والے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غلامی کو سلطانی سے افضل جاننے والے بے ادب ہو گئے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اور جن لوگوں نے اس عالم دین کے الفاظ تبدیل کر کے وہ الفاظ لکھے جو گستاخی کا جملہ بنتا ہے ''خطا پر تھیں'' کو ''خطا کار تھیں'' بتا کر مقدمہ درج کروایا ایسے لوگ سزا کے مستحق ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنا مسلک واضح بیان کرنا اور مخالفین کے جھوٹے الزامات کی اصل حقیقت بتانا علمائے اہل سنت کا فریضہ ہے۔ اس لیے اہل سنت کے اجماعی عقائد اور مسائل بیان کرنے سے منع کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دی جا سکتی خواہ وہ علانیہ روافض ہوں یا سنیت کے لبادے میں اندر سے رافضی ہوں (اجماعی کا حوالہ صورت واقعیہ کے تناسب سے ہے) یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم نہیں تھے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معصومہ نہیں تھیں بات درست ہے لیکن اس سے عوام الناس چھوڑ کر اکثر

مولوی صاحبان بھی اصل مسئلہ اور عقیدہ قطعیہ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر انہوں نے سمجھا ہوتا تو پھر یہی کچھ ہونا تھا جو ہوا ہے۔ بے شک ان میں سنیت کے لبادے میں رافضی بھی ہیں لیکن بہت سارے مخلص بھی اسی غلطی میں واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے وضاحت سے بیان کرنا ضروری ہے۔ خطا کو صواب نہیں کہہ سکتے۔ افسوس ہے قطعیات اسلام اور ضروریات مذہب اہل سنت بھی اچھی طرح معلوم نہیں ہیں لیکن علماء کو گستاخ قرار دینے پر بڑے دلیر ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ہمیں غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بالخصوص تمام علمائے اہل سنت کو اپنی ذمہ داری کا احساس اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت بخشے آمین یارب العالمین۔

آخر میں گزارش ہے کہ مسئلہ میراث نبوی میں حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے موقف کی شرعی حیثیت اور مذہب اہل سنت و جماعت بیان کرنے سے مقصود حق کا اظہار اور بیان اور ان فضلاء کی توجہ حقیقت واقعیہ کی طرف مبذول کروانا ہے جو اس مسئلہ میں غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔ بڑی امید ہے کہ وہ اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے قبول حق اور اس کے اظہار و بیان میں تاخیر نہیں کریں گے اور جید علماء کرام اس کو پڑھ کر پوری طرح مطمئن ہونے کی صورت میں اپنی تحریری اور تقریری تصدیق وتصویب اور تائید وتوثیق منظر عام پر لائیں اور نوجوان حضرات اگر یہ تحریر بزرگ علمائے کرام تک خود لے جائیں اور پڑھ کر ان کے مطمئن ہونے کی صورت میں ان کی تحریری تصدیق وتصویب مندرجہ ذیل ایڈریس پر ارسال کریں تو اس سے بہت سارے لوگوں کا بھلا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

ان اريد الا الا صلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب و ما علينا الا البلاغ المبين والحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وعليهم وعلى اٰله واصحابه اجمعين۔

حررہ العبد الفقير الى الله الغنى الكريم

نذیر احمد السیالوی عفی اللہ تعالیٰ عنہ
جامعہ محمدیہ معینیہ فیصل آباد پاکستان۔ ۲۳/ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ موافق ۱۵/جولائی ۲۰۲۰ء۔

□□□

باغ فدک کے تحقیقی فتوی پر

فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدظلہ العالی کی تصدیق

محب محترم مولانا نظام الدین صاحب زید حبہ

سلام ورحمت

آپ کے ٹیلی فونی بیان اور ارسال فرمودہ حضرت مفتی نذیر احمد صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ فدک کے مسئلہ کو لے کر رافضیوں کے، حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''ظالم'' کہنے کا رد کرتے ہوئے محترم مولانا ڈاکٹر اشرف جلالی صاحب مدظلہ نے حضرت سیدہ طیبہ زاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تعلق سے فرما دیا کہ کروروں فضائل ومراتب کے باوجود ''خطا پر تھیں'' پھر اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ ان کی یہ خطا ''خطائے اجتہادی'' تھی، تو رافضیوں کو چھوڑ کچھ ارباب خانقاہ کے ساتھ، بعض سنی علمائے کرام نے بھی موصوف پر حضرت سیدہ طاہرہ زاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین وتنقیص کا الزام قائم کر دیا اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ اس کی زد معاذ اللہ رب العلمین کہاں کہاں پڑتی ہے؟ پھر ستم بالائے ستم تو یہ ہوا کہ موصوف کے خلاف مقدمہ بھی درج کرایا اور اسمبلی تک میں قرارداد پیش کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیلوا دیا۔ حیرت ہے کہ یہ سب کچھ ''ایران'' میں نہیں، اس ملک ''پاکستان'' میں ہوا جو، شریعت محمدیہ کے علی الرغم ''اسلامی جمہوریہ'' کہلانا اپنا فخر سمجھتا ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ آج اہل بیت اطہار بالخصوص حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روح پاک خود ان ہی کے تقدس کی آڑ میں اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے اس حقانی عقیدہ کی پامالی پر کس قدر بے چین ہو رہی ہوگی۔

بلاشبہ شریعت محمدیہ کے مطابق صحابہ کرام بشمول افضل البشر بعد الانبیا حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، اسی طرح اہل بیت اطہار بشمول جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خطائے اجتہادی نہ صرف ممکن بلکہ بسا اوقات واقع بھی ہو چکی ہے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اس واضح مسئلہ کو دلائل وبراہین کے ساتھ واضح تر کر کے دکھا دیا ہے۔

میں محترم مولانا جلالی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں، وہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ کسی جرم میں ماخوذ ہو کر نہیں، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد گرامی کے عطا فرمودہ عقیدہ حقہ کے تحفظ کی خاطر قید وبند کی مشقتیں جھیل رہے ہیں، اس طرح سنت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجدید ہو رہی ہے۔ کیا بعید کہ خدائے قدیر وہادی ان کی اس اسیری کے صدقے وقت کے جہانگیروں کو ہدایت دے دے۔ میری دعا ہے کہ حقیقی حاکم ومالک دوجہاں اس عقیدہ حقہ کو عطا فرمانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مولانا موصوف کو اپنے کرم بے پایاں کے حساب اجر جزیل وجمیل عطا فرمائے۔ آمین

فقیر محمد مطیع الرحمن رضوی غفرلہ

اطلاق خطا اور گستاخی کا شور:
ایک تجزیاتی مطالعہ

مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی: مدیر اعلیٰ سواد اعظم دہلی

ان دنوں ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب کے ایک جملے پر پاک وہند میں خوب تنازع برپا ہے۔ معاملے کی حساسیت کے پیش نظر ہم نے اس معاملے پر سکوت زیادہ بہتر سمجھا لیکن اس معاملے پر روافض کے دخل اور سنفضی طبقے کی بیجا فعالیت اور عقیدہ اہل سنت کے دفاع کی خاطر ضروری سمجھا کہ مذکورہ معاملے کے اہم پہلوؤں پر تجزیاتی تحریر لکھی جائے تاکہ عوام وخواص فریقین کے دعووں اور دلائل سے باخبر ہوسکیں اور کسی بہتر نتیجے تک پہنچ سکیں۔

چند ماہ قبل "شان مولیٰ علی رضی اللہ عنہ" سیمینار میں باغ فدک کے ضمن میں جلالی صاحب نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی کتاب "تصفیہ مابین سنی وشیعہ" کا ایک اقتباس پڑھ کر اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہ دیا کہ:

"مطالبہ فدک کے وقت سیدہ فاطمہ خطاء (اجتہادی) پر تھیں۔"

دوران تقریر اور بعد میں مہینوں تقریر کے متعلق کہیں کوئی بات سننے میں نہیں آئی لیکن کئی ماہ بعد کسی بندے نے سیاق وسباق سے ہٹا کر محض اسی جملے کی کلپ "گستاخ فاطمہ" کے کیپشن کے ساتھ وائرل کردی۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے پڑوسی ملک میں جلالی صاحب کی مخالفت شروع ہوگئی۔ مخالفت کرنے والوں میں تین گروہ اہم ہیں:

1- رافضی
2- سنفضی (نیم سنی نیم رافضی)
3- بعض سنی علما ومشائخ

مخالفین میں یہی تین گروہ پیش پیش ہیں۔ درجہ بندی کے بعد اختلافی نقطہ نظر کو سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔

رافضی طبقہ اہل بیت اطہار کو معصوم گردانتا ہے اس لیے وہ ہمیشہ سے عقیدہ اہل سنت کے مخالف رہے ہیں اس لیے ان کی مخالفت باعث حیرت نہیں۔

سنفضی، تفضیلی طبقے کے افراد بظاہر خود کو سنی کہلاتے ہیں لیکن مزاجاً روافض کی اتباع وپیروی کرتے ہیں اس لیے جیسے ہی کوئی موقع ملتا ہے تو عقیدہ اہل سنت کی مخالفت اور روافض کی حمایت کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔ حالیہ معاملے میں جیسے ہی روافض نے شور مچایا تو امیدوں کے عین مطابق سنفضی اور تفضیلی بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے مخالفت کی مہم میں شانہ بشانہ شریک ہوگئے۔

اختلاف کرنے والوں میں کئی ذمہ دار سنی علما ومشائخ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض نے لفظ "خطا" کے استعمال کو بے ادبی اور گستاخی قرار دیتے ہوئے توبہ ورجوع کا مطالبہ کیا تو بعض علما نے مذکورہ جملے کو محض تعبیری خطا قرار دیا اور سیدہ فاطمہ کے شایان شان نہ سمجھتے ہوئے اسے تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔

سنی علما ومشائخ کے مخلصانہ مشوروں کو قبول کرتے جلالی صاحب نے اپنے جملے سے رجوع کرتے ہوئے یہ بیان دیا:

> "ہم سیرت فاطمہ اور فدک کے بیان میں بھی سیدہ فاطمہ کی جانب خطائے اجتہادی کا ذکر جائز نہیں سمجھتے لیکن روافض کے رد کے وقت بمجبوری خاص اسی موقع پر اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں لیکن روافض کے فریب سے عوام اہل سنت کے اعتقادی تحفظ کی خاطر ہم اس لفظ کو ترک کرتے ہیں۔"

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وضاحت کے بعد حالات اپنے معمول پر آجاتے لیکن وضاحت کے بعد بھی حالات پر کوئی فرق نہیں پڑا الٹا جلالی صاحب کی مخالفت میں لابنگ بڑھتی گئی، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے بائکاٹ کی اپیلیں جاری ہونے لگیں اور بعض سیاست دانوں کی

مہربانیوں سے قومی اسمبلی میں مذمتی قرارداد بھی پیش کی گئی۔ اپنے موقف کی وضاحت اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے "شان بتول، بے خطا بے گناہ سیدہ زہرا" جیسی کئی کانفرنس منعقد کی گئیں جن میں جلالی صاحب نے نہایت عالمانہ اور مؤدبانہ لب ولہجے میں گھنٹوں خطاب کیا لیکن مخالفین پر ان خطابات کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

حالیہ معاملے پر ایک نظر:

جلالی صاحب کے بیان پر رافضی، طبقے کے علاوہ تفضیلی، سنفضی اور بعض سنی علما و مشائخ کے اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ شیعوں نے اپنی فطرت کے مطابق تبرا اور گالی بازی شروع کر دی ان کی اتباع و پیروی میں سنفضی طبقہ بھی آگے آیا اور دونوں نے مل کر جلالی صاحب کو "ولد الزنا، نطفہ نامعلوم، مردود، حرامی، حیضی بچہ، منافق شیطان، ناصبی، یزیدی" جیسی گالیاں دے کر اپنے ذوق خاص کا اظہار کیا۔ اب جس گروہ کے نزدیک جماعت صحابہ پر تبرا اور گالی گلوچ مذہبی کلچر کا حصہ ہو اس کی بدزبانی سے بھلا کون محفوظ رہ سکتا ہے؟

ایسے گالی بازوں کے جواب سے ہم بھی معذور ہیں اور " قالوا سلاما" میں ہی عافیت جانتے ہیں۔ رہ جاتے ہیں سنی علما و مشائخ کے اعتراضات، ان میں معترضین کے دو طبقے ہیں:

1- بعض حضرات نے اسے تعبیری خطا قرار دیا اور "احترام اہل بیت" کے پیش نظر اس جملے سے رجوع کا مطالبہ کیا۔

2- بعض کے نزدیک "سیدہ کی جانب خطا کی نسبت شدید گستاخی اور بے ادبی ہے۔ جس سے توبہ و رجوع لازمی ہے۔"

طبقہ اول نے محبت اہل بیت اور لحاظ عرف کے باعث مذکورہ جملے کو بدلنے کی اپیل کی۔ ان کی یہ اپیل یقیناً ان کے خلوص اور محبت اہل بیت کی دلیل ہے۔ ہمیں بھی اس حد تک ان سے اتفاق ہے کہ عوامی عرف کے پیش نظر مطالبہ فدک میں یہی مضمون مزید بہتر انداز میں بیان کیا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ "مشکلات الحدیث" میں غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی نے کیا ہے۔ جس کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اجتہاد کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے مختلف قرار دیتے ہوئے اجتہاد صدیقی کو بہتر قرار دیا ہے۔

غزالی زماں کے اقتباس کی تشریح کی جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قضیہ فدک میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی مبنی برصواب تھا۔ لیکن آپ نے عرف کے پیش نظر ان لفظوں سے پرہیز کیا جن سے رافضی اور رافضی نواز اہل سنت کو ورغلا سکتے تھے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

طبقہ دوم نے "نسبت خطا" کو سیدہ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی قرار دیتے ہوئے نہایت جذباتی انداز اختیار کیا ہوا ہے۔ جذباتیت کی طغیانی میں وہ مسلسل اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ سیدہ کی جانب خطا کا اطلاق کسی طور پر جائز نہیں ہے ایسا کرنا ناصبیت اور بدبختی کی نشانی ہے۔ ان حضرات کے جذباتی ردعمل سے ایکبارگی تو اہل بیت کے تئیں ان کی محبت ظاہر ہوتی ہے لیکن معاملے کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں تو حیرت کا شدید جھٹکا لگتا ہے کہ ان "جذباتی دیوانوں" میں وہ "روشن خیال" بھی مورچہ سنبھالے ہوئے ہیں جو سیدہ فاطمہ کے بابا سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں کی جانے والی صریح گستاخیوں پر نہ صرف پہلو بدلتے ہیں بلکہ گستاخوں کو شرعی حکم سے بچانے کے لیے تاویلات فاسدہ سے بھی کام لیتے ہیں۔

ایک طرف یہ "جذباتی دیوانے" سیدہ کی جناب میں "خطائے اجتہادی" کا جملہ استعمال کرنے والے کو اہل سنت سے خارج کرنے کی مہم چلا رہے ہیں تو دوسری جانب آقائے دو جہاں ﷺ کی شان میں صریح گستاخیاں کرنے والوں، گستاخیوں کی اشاعت، وکالت اور تبلیغ کرنے والوں سے یاریاں نبھاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ نظر آتے ہیں۔ آخر یہ دورنگی کیوں؟

سیدہ فاطمہ سے محبت کا دعوی تو سیدہ کے بابا کے دشمنوں سے یارانہ کیسا؟

طبقہ ثانی میں وہ افراد بھی ہیں جو "روشن خیال دیوانوں" سے مزاجاً الگ ہیں اور وہ "نسبت خطا" کو محض بے ادبی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لفظ خطا مطلقاً بولا گیا ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اور اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق خطا سے خطائے معصیت کا ماننا لازم آتا ہے جو یقیناً سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کی جناب میں شدید گستاخی ہے۔

اپنے فہم کے مطابق ان حضرات کا استدلال درست اور بجا ہے لیکن جلالی صاحب پر اس کا انطباق اس لیے درست نہیں ہے کیوں کہ وہ اس بات کی بارہا وضاحت کر چکے ہیں کہ ان کی مراد "خطائے اجتہادی" ہے جو گناہ ہے نہ بے ادبی، بلکہ باعث اجر و ثواب ہے۔ تو جو چیز باعث اجر ہو اسے کسی معظم شخصیت کی جانب منسوب کرنا ہرگز ہرگز بے ادبی اور گستاخی

نہیں ہے۔کسی قول کی اصل مراد قائل ہی بیان کرسکتا ہے جب قائل اپنی مراد ظاہر کرچکا تو خود سے اس قول کی مراد متعین کرنا علمی اصولوں کے خلاف ہے۔اگر جملے میں کوئی محتمل لفظ موجود ہو تب بھی قائل کو دیکھا جائے گا کہ وہ کس سوچ وفکر کا حامل ہے،اعلی حضرت فرماتے ہیں:

"بعض محتمل لفظ جب کسی مقبول سے صادر ہوں بحکم قرآن انہیں معنی حسن پر حمل کریں گے،اور جب کسی مردود سے صادر ہوں جو صریح توہینیں کرچکا ہو تو اس کی خبیث عادت کی بنا پر معنی خبیث ہی مفہوم ہوں گے کہ:

کل اناء یترشح بما فیہ۔ ہر برتن سے وہی کچھ باہر آتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔" (فتاوی رضویہ ج:29/ص35)

اقتباس بالا کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہاں لفظ "خطا" کے قائل علامہ اشرف آصف جلالی ہیں، جن کی فکر ونظر محتاج تعارف نہیں ہے۔

- موصوف بلاشبہ اہل سنت کے نامور محقق، اور متصلب عالم دین ہیں۔
- "توحید سیمینار" میں آپ کے تحقیقی خطابات اور تصنیفات بہترین علمی سرمایہ ہیں۔
- مذکورہ جملہ بھی "شان مولی علی سیمینار" میں ادا کیا گیا۔(ذرا سوچیں! جو شخص مولی علی کی عظمت بیان کرنے بیٹھا ہو، کیا وہ بانوئے مرتضی کی توہین کرے گا؟)
- ماقبل کے جملے میں سیدہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے یہ جملہ ادا کیا: "اہل بیت سے خطا کا امکان تو ہے لیکن رب نے حفاظت فرمادی ہے۔"
- مذکورہ جملے کے فوراً بعد "سیدہ کی عظمت" کا بیان کیا۔
- عقائد اہل سنت کی ترویج واشاعت میں موصوف کی قابل قدر خدمات ہیں۔
- روافض کے رد میں "عدالت صدیق اکبر، عظمت صحابہ" جیسے کئی اہم سیمینار منعقد کرکے سیکڑوں گھنٹوں پر مشتمل کئی تحقیقی خطاب فرماچکے ہیں۔

عقائد اہل سنت کی حفاظت اور بدعقیدوں کی تردید میں آپ کا نام مشعل راہ ہے۔ایسی پاک فکر ونظر اور خدمات کا وسیع دائرہ رکھنے والے عالم دین پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کا الزام لگانا علمی دیانت اور انصاف کا خون کرنا ہے۔جس شخص کی پوری زندگی دفاع صحابہ اور عظمت اہل بیت میں گزر رہی ہے، اسے بے ادب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

خطا کا معنی اور اطلاق:

چونکہ ساری بحث "انتساب خطا" کی بنیاد پر ہو رہی ہے اس لیے ضروری ہے کہ پہلے لفظ خطا کا معنی ومحل سمجھ لیا جائے تاکہ فریقین کے دعوؤں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔بنیادی طور پر خطا ایسے قول یا فعل کو کہتے ہیں جو درستی کے معیار پر پورا نہ اُترتا ہو لیکن کرنے والے نے جان بوجھ کر انہیں نہ کیا ہو۔یعنی ایسا نہ ہو کہ قائل جانتا ہو کہ وہ جو کہنے/کرنے والا ہے وہ درست نہیں ہے مگر پھر بھی اس کام کو کہے یا کرے۔قرآن کریم میں لفظ خطا اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْؕ وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿سورۃ الاحزاب: آیت 5﴾

"انہیں (لے پالکوں کو) ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہوا ہاں وہ گناہ ہے جو دل کے قصد سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

دوسرے مقام پر اللہ فرماتا ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا۔ (سورۃ النساء:92) "اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے۔"

مذکورہ آیات میں لفظ خطا اس عمل کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے، جس میں قائل وفاعل کا قصد وارادہ نہیں پایا گیا بلکہ نادانستہ صدور ہوگیا۔ساتھ ہی آیات مذکورہ سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ کسی "نادرست عمل" کرنے والے کو مطلقاً "غلط کار و خطا کار" نہیں کہا جاتا نہ ہی اس "نادرست عمل" کو شرعی غلطی مانا جاتا ہے۔حدیث پاک میں بھی خطا کو نادانستہ عمل کے معنی میں ہی استعمال کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ: (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 2121)

بے شک اللہ نے میری اُمت کی خطاؤں، بھول اور جن کاموں

کے کرنے پر انہیں مجبور کیا گیا۔ (ایسے کاموں) سے درگزر فرمایا ہے)

مذکورہ حدیث میں بھی خطا کا اطلاق نادانستہ عمل پر کیا گیا اور اسے قابل درگزر قرار دیا ہے۔ درج بالا مثالیں ان اعمال وافعال کے بارے میں ہیں جو کسی بھی عام انسان سے صادر ہوتی ہیں۔ عام طور پر خطا کی دو قسمیں کی جاتی ہیں:

1- خطائے عرفی۔

2- خطائے شرعی

خطائے شرعی کی دو قسمیں ہیں:

1- خطائے عنادی: جس میں بالقصد گناہ کیا جاتا ہے۔

2- خطائے اجتہادی: جس میں مجتہد امر خیر کی کوشش کرتا ہے۔ یہ باعث اجروثواب ہے۔ اجتہادی امور میں کسی مجتہد پر تنقید جائز نہیں، فتاوی رضویہ میں ہے:

''اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی کی دو قسم ہے، مقرر ومنکر، مقرر وہ جس کے صاحب کو اس پر برقرار رکھا جائے گا اور اس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلہ اصحاب جمل رضی اللہ تعالی عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطا یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، یا انہیں اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم میں مداخلت حرام ہے، حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا۔ (المعجم الکبیر حدیث ۱۴۲۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/۹۶) جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔'' (فتاوی رضویہ ج:29 ص:54)

عقیدہ اہل سنت کے مطابق بزرگ ہستیوں کی جانب خطائے عنادی یا خطائے عرفی کی نسبت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کیوں کہ خطائے عنادی ہو کہ خطائے عرفی، انہیں اخلاقی طور پر درست نہیں سمجھا جاتا اور ان باتوں کو صاحب کردار شخص کے لیے معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ جو باتیں اخلاقاً یا عرفاً معیوب مانی جاتی ہوں انہیں بزرگ شخصیات کی جانب منسوب کرنا حد درجے کی جسارت وگستاخی اور بے ادبی ہے۔ اہل سنت وجماعت میں ادب واحترام کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ اب رہ جاتا ہے خطائے اجتہادی کا معاملہ، چونکہ خطائے اجتہادی باعث گناہ نہیں بلکہ باعث ثواب ہے، کیوں کہ اس میں امر خیر کی کوشش ہوتی ہے۔ درستی کی صورت میں دوگنا اجر اور خطا کی صورت میں بھی ایک اجر ملتا ہے۔ اس لیے غیر معصوم افراد کی جانب اس کی نسبت کرنا بالاتفاق جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

کیا خطائے اجتہادی کی نسبت گستاخی ہے؟

معظمین کی بارگاہ میں بے ادبی اور گستاخی انتہائی بدنصیبی اور محرومی کی بات ہے لیکن یہ نکتہ واضح رہے کہ معظمین کے حق میں وہ باتیں گستاخی اور بے ادبی کہلاتی ہیں جو فی نفسہ معیوب اور گناہ ہوں جیسے جھوٹ، غیبت، لالچ وغیرہ۔ چونکہ یہ ساری باتیں اپنے آپ میں عیب اور گناہ ہیں، ان جیسی باتوں کو معظمین کی جانب منسوب کرنا یقیناً پرلے درجے کی گستاخی اور سخت بے ادبی ہے لیکن جس ''خطائے اجتہادی'' پر شور برپا ہے وہ فی نفسہ عیب اور گناہ نہیں بلکہ باعث اجروثواب ہے۔ اجتہاد کے درست وخطا ہونے اور اس پر ثواب مرتب ہونے کو حدیث میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ۔ (بخاری شریف: رقم الحدیث 7352)

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور خطا کر جائے تو اسے (اجتہاد کرنے کے عوض) ایک گنا ثواب ملتا ہے۔''

اب جو بات عیب وگناہ نہیں، باعث اجروثواب ہے اس کی نسبت سیدہ فاطمہ کی جانب کرنا گستاخی قرار کیوں پائے گا؟

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے قبل بھی خطائے اجتہادی کی نسبت معظمین کی جانب کی جاتی رہی ہے۔

ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کے دانہ گندم کھانے کو خطائے اجتہادی قرار دیا گیا ہے۔

جنگ جمل کے موقع پر سیدنا مولی علی رضی اللہ عنہ کے بالمقابل ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی جاتی ہے۔

جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر

آنے والے اجلہ صحابہ کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی جاتی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب خطائے اجتہادی کا قول کیا جاتا ہے۔

اس طرح کی درجنوں بلکہ اس سے زائد مثالیں کتب میں موجود ہیں لیکن کبھی بھی معظمین کے حق میں خطائے اجتہادی کی نسبت کو گستاخی قرار نہیں دیا گیا تو آج سیدہ فاطمہ کی جانب انتساب کو کس لیے گستاخی قرار دیا جارہا ہے؟ جو بات انبیاے کرام کے حق میں گستاخی نہیں ہے وہی بات سیدہ فاطمہ کے حق میں گستاخی کیوں بتائی جارہی ہے!!

اس معاملے پر بعض حضرات حد درجہ جذباتیت اور لفظوں کی بازی گری سے عوام کو Emotionally Blackmail کرنے کی ناروا کوشش کررہے ہیں۔یہ لوگ جان بوجھ کر "خطائے اجتہادی" کو "خطائے معصیت" بتاکر لوگوں کے جذبات ابھار رہے ہیں۔اگر سیدہ کی شان میں خطائے معصیت کی نسبت کی گئی ہوتی تو یہ سارا ہنگامہ جائز تھا لیکن بار بار خطائے اجتہادی کی وضاحت کرنے کے باوجود خطائے معصیت کی رٹ لگانا اول درجے کی خیانت اور سیدہ پاک کی شان میں شدید قسم کی بے ادبی بھی ہے۔

پچھلے کئی سو سالوں سے ائمہ ومفسرین، انبیاے کرام، صحابہ اور امہات المومنین کے حق میں خطائے اجتہادی کی نسبت کرتے آئے ہیں اگر خطائے اجتہادی کی نسبت گستاخی مان لی جائے تو جملہ اکابرین امت پر گستاخی کا الزام لازم آئے گا لیکن آج تک کسی نے بھی خطائے اجتہادی کی بنا پر گستاخی کا قول نہیں کیا تو آج گستاخی قرار دینے کی وجہ کیا ہے؟

کیا ایسی جذباتی باتوں سے غیر شعوری طور شیعوں کے عقیدہ معصومیت کو کھاد پانی فراہم نہیں کیا جارہا ہے؟

ہمارے افراد کے جذباتی رویوں کو دیکھتے ہوئے تفضیلی طبقے نے اہل بیت کے بارے میں "عقیدہ عصمت" کی تخم ریزی شروع کردی ہے،ایک معروف پیر صاحب نے اپنی فیس بک پوسٹ میں لکھا:

"معصوم صرف نبی ہی نہیں فرشتے بھی معصوم ہیں اور در زہرا سے خیرات لیتے ہیں جب لینے والے معصوم ہیں تو دینے والوں کی عصمت کیا ہوگی۔"

ایک اور معروف پیر صاحب لکھتے ہیں:

"امکان خطا کا عقیدہ اپنے پاس رکھ۔"

یہ دو مثالیں تو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر درج کردی ہیں ورنہ اگر سوشل میڈیائی تحریروں کو جمع کیا جائے تو حالات نہایت ناگفتہ بہ نظر آتے ہیں۔انہیں سے اندازہ لگائیں کہ کس دیدہ دلیری کے ساتھ اہل بیت کے حق میں معصوم بنانے کی مہم چل رہی ہے اگر اس فتنہ کا سد باب نہ کیا گیا تو آنے والے وقت میں سنیت میں بھی عقیدہ عصمت جڑیں جمالیگا اور پھر اس فتنے کا مقابلہ انتہائی مشکل ہوگا۔ابھی جو لوگ نادانستہ طور پر اس فتنے کو نہیں پہچان پا رہے اور لاشعوری طور پر فتنوں کے معاون بن رہے ہیں انہیں امام حسن بصری کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے جسے امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں نقل فرمایا ہے:

الفتنة إذا أقبلت عرفها كل عالم، وإذا أدبرت عرفها كل جاهل"

"فتنہ جب اٹھتا ہے [یعنی جب کسی فتنے کی شروعات ہوتی ہے] تو ہر عالم اسے پہچان لیتا ہے۔اور جب فتنہ چلا جاتا ہے تب جاہل اسے پہچانتا ہے۔"

امام حسن بصری کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ دین میں اٹھنے والے فتنوں کی صحیح سمجھ "علماے دین یعنی دین کی صحیح سمجھ رکھنے والوں" ہی کو ہوتی ہے، وہ فتنوں کے سر اٹھاتے ہی انھیں پہچان لیتے ہیں اور امت کو باخبر کردیتے ہیں۔جب کہ جاہل اور انجان لوگ ان فتنوں کی حقیقت نہیں سمجھ پاتے۔جب اٹھنے والے فتنے اپنا کام کر جاتے ہیں تب انھیں ان فتنوں کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔

ایسے ماحول میں جب کہ رافضیت ہماری صفوں میں نقب لگا چکی ہے ہمارے احباب کا اس معاملے پر بیجا جذباتیت سے کام لینا رافضیت کو مزید کمک فراہم کرے گا۔تفضیلی طبقہ اس عنوان پر عوام اہل سنت کو ورغلانے کی کوشش میں جٹ گیا ہے۔اس لیے خطائے اجتہادی کے باب میں جو طرز عمل اسلاف کا تھا اسی پر قائم رہا جائے،محبت اہل بیت کے نام پر ایک نئی فکر کے داغ بیل سے پرہیز کیا جائے۔اگر اس طرز عمل سے پرہیز نہ کیا گیا تو غیر شعوری طور پر روافض کے عقیدہ معصومیت کو کھاد پانی فراہم کرنا ہوگا جس کی ذمہ داری ان جذباتی حضرات کے ذمہ ہوگی۔

پس منظر:

یہ بات سو فیصد درست ہے کہ "حساس مسائل کو عوامی اجلاس میں بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے کہ نفع کم نقصان زیادہ ہوتا ہے۔"

لیکن کبھی بار بادل نخواستہ بھی ایسے اقدامات کرنا پڑتے ہیں ۔حالیہ معاملے کا پس منظر بھی کچھ ایسا ہی ہے ۔ یلفی علی نامی ایک رافضیہ عورت نے ٹی وی شو میں اپنے ناقص عدالتی نظام پر تنقید کرتے ہوئے یہ گستاخانہ بیان دیا:

''ہماری Judiciary (نظام انصاف) کا بیڑا غرق اسی دن ہوگیا تھا جس دن فاطمہ زہرا انصاف لینے دربار (صدیقی) گئیں اور ان کو انصاف نہیں ملا اور ان کو جھٹلایا گیا۔''

اس گستاخانہ بیان کی تائید میں دیگر رافضیوں نے بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دشمن زہرا قرار دیتے ہوئے نہایت غلیظ، گھٹیا اور بازاری زبان استعمال کی۔ اسی ملعونہ عورت اور اس کے ہم نواؤں کے جواب میں منعقدہ ''شان مولیٰ علی سیمینار'' میں جلالی صاحب نے نہایت تحقیقی خطاب کیا۔ جس میں آپ نے دلائل قاہرہ سے روافض کا علمی رد کیا۔ کئی مہینوں تک کسی کو بھی گستاخی کا شائبہ تک نہیں گزرا لیکن جب مذکورہ جملے کو سیاق وسباق سے ہٹا کر ''گستاخی زہرا'' کیپشن کے ساتھ وائرل کیا گیا تو ہنگامہ شروع ہوگیا جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک آپہنچا ہے۔

پس منظر کی اس بنیادی تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ جلالی صاحب نے ازخود حساس بحث شروع نہیں کی بلکہ روافض کے جواب اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دفاع میں آپ کو اس حساس عنوان پر خطاب کرنا پڑا۔ چونکہ یہ الزام ٹی وی جیسے عوامی فورم پر لگایا گیا تھا جس سے عوام اہل سنت میں سخت اضطراب تھا۔ عوامی خلجان کو دور کرنا اور عقیدہ اہل سنت کا دفاع کرنا ضروری تھا اس لیے حساسیت کے باوجود اس عنوان پر عوامی اجلاس کیا گیا تا کہ عوام اہل سنت روافض کی فریب کاریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

مطالبہ فدک: ایک زاویہ نظر:

کبھی بار ایسا ہوتا ہے کہ بوقت مطالبہ یا اعلان مسئلے کی مکمل تفصیلات صاحب اجتہاد کی نگاہ سے پوشیدہ رہتی ہیں اور وہ اپنے فہم کے مطابق اجتہاد کرتے ہیں ایسی صورت میں اپنے مطالبے اور ادعا کے وقت صاحب اجتہاد اپنے فہم اور دلائل کی بنیاد پر مبنی برصواب ہی ہوتے ہیں لیکن جب معاملے کے مخفی گوشے سامنے آتے ہیں تو انہیں علم ہوتا ہے کہ ان کا نہیں بلکہ دوسرے مجتہد کا فہم واجتہاد مبنی برصواب ہے۔ اس کی مثال میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مہر کی تحدید والا واقعہ اہم نظیر ہے جب آپ نے معاشرے میں مہر کی بڑھتی ہوئی رسم کے سد باب کی خاطر چالیس اوقیہ درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے پر پابندی لگادی اور خلاف ورزی کی صورت میں اضافی رقم کو بیت المال میں جمع کرنے کا اعلان فرمایا۔ آپ کے اعلان واجتہاد کے خلاف ایک ضعیفہ خاتون نے آواز اٹھائی اور مسئلہ کی مکمل تفصیل رکھتے ہوئے کہا قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا

(سورہ نساء ۲۰)

''اور اسے [مہر میں] ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔''

ضعیفہ نے اس آیت کی رو سے ثابت کیا کہ مہر کی اکثر مقدار پر پابندی لگانا قرآن عظیم کی آیت کے خلاف ہے۔

اپنے اعلان کے وقت حضرت عمر کے ذہن میں مہر کے بیجا استعمال روکنے کی بات تھی لیکن ضعیفہ کے اجتہاد سے انہیں مسئلے کی مکمل تفصیل کا علم ہوا تو آپ نے وسعت قلبی کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

اصابت المرأة واخطأ عمر ۔ عورت نے درست کہا اور عمر سے خطا (اجتہادی) ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ج:۵ ص ۹۹ دار الکتب المصریہ)

یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ یہ وہ سیدنا عمر فاروق اعظم ہیں جن کی رائے وحی قرآنی کے سب سے زیادہ مطابق ہوتی تھی لیکن حالیہ معاملے میں ان کے ذہن سے مہر کا یہ گوشہ مخفی رہا جسے ضعیفہ نے پیش کیا۔ اب قضیہ فدک کو سمجھتے ہیں۔ قضیہ فدک میں دو باتیں اہم ہیں:

۱۔ سیدہ کائنات رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنا۔

۲۔ مطالبے کے برعکس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عدم وراثت کا فیصلہ کرنا۔

قضیہ فدک میں ایک طرف سیدہ فاطمہ کا اجتہاد تھا، دوسری جانب سیدنا صدیق اکبر کا اجتہاد تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اجتہاد کے مطابق وہ باغ فدک کی وارثہ قرار پاتیں۔ صدیق اکبر کا اجتہاد اس کے برخلاف تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ چونکہ دونوں پہلو ایک دوسرے کے برعکس ہیں اس لیے بہت سارے لوگ شش وپنج میں پڑ جاتے ہیں اور ہر دو عظیم شخصیات کے مابین تقابل کر کے کسی ایک کی کسر شان کے مرتکب ہوتے ہیں اور عاقبت برباد کرتے ہیں۔ اہل سنت کا موقف اعتدال پر مبنی ہے جس کے تحت نہ کسی شخصیت کی کسر شان ہوتی ہے نہ توہین۔ امام ابن

ہمام کمال الدین محمد فرماتے ہیں:

"کل مجتهد مصيب والحق عند الله واحد. (فتح القدیر ج ۷ ر ص ۳۴۷ دار الفکر بیروت)

"ہر مجتہد اجر کا حق دار ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک حق ایک [موقف] ہوتا ہے۔"

یعنی جب دو مجتہدوں کے موقف ایک دوسرے کے برخلاف ہوں تو عند اللہ ایک ہی موقف درست ہوتا ہے لیکن تلاش خیر اور اخلاص نیت کی وجہ سے دونوں مجتہد اجر و ثواب کے حقدار ہوتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ زہرا نے آیت میراث کے حکم عام کے تحت باغ فدک کا مطالبہ کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ آیت میراث "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ" میں حضور ﷺ بھی شامل ہیں بایں وجہ تنہا بیٹی ہونے کے ناطے وہ نصف حصہ کی حقدار تھیں۔ اپنے استدلال کے مطابق سیدہ اپنے مطالبے میں حق بجانب تھیں لیکن سیدہ کا اجتہاد مسئلہ وراثت کے محض ایک گوشے پر مرکوز تھا۔ معاملے کا دوسرا پہلو، ان پر منکشف نہ تھا جب سیدہ نے مطالبہ کیا تو حضرت صدیق اکبر نے حدیث رسول پیش کرتے ہوئے معاملے کا دوسرا پہلو، سیدہ کے سامنے رکھا۔ یہ وہ پہلو تھا جو سیدہ کے علم میں نہیں تھا ورنہ آپ کا اجتہاد پہلے سے مختلف ہوتا۔ دونوں اجتہاد ایک دوسرے سے متعارض تھے، ان میں سے کوئی ایک اجتہاد ہی مبنی بر صواب ہو سکتا تھا جیسا کہ امام ابن ہمام کے حوالہ سے گزرا، اب ہم جیسے گناہ گاروں کی اوقات نہیں کہ ان عظیم المرتبت شخصیات کے مابین محاکمہ کریں، اس لیے ہم ان عظیم ترین ہستیوں کے طرز عمل سے ہی معلوم کرتے ہیں کہ کس کا اجتہاد مبنی بر صواب تھا؟

جب ہم واقعہ کی تفصیل دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مطالبہ فدک کے بعد جب سیدہ فاطمہ کے سامنے صدیق اکبر کا اجتہاد آیا تو آپ نے اپنے اجتہادی مطالبے کو ترک کرتے ہوئے صدیق اکبر کے اجتہاد کو تسلیم کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مبارک عمل ہی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ قضیہ فدک میں سیدنا ابو بکر صدیق کا اجتہاد ہی مبنی بر صواب تھا ورنہ سیدہ فاطمہ ہرگز اپنے اجتہادی مطالبے سے دست بردار نہ ہوتیں۔ خاتون جنت نے اپنے مبارک طرز عمل سے صدیق اکبر کے اجتہاد پر درستی کی مہر ثبت کردی اور اپنے بابا سید عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو سچ ثابت کر دکھایا جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

ان الله يكره فوق سمائه ان يخطأ ابا بكر۔ (تاریخ الخلفا رواہ الطبرانی: ج ا ر ص ۴۲)

"اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ ابو بکر سے خطا ہو۔"

اب اگر کوئی لفظوں کے ہیر پھیر سے صدیق اکبر کے اجتہاد کو مبنی بر صواب نہیں مانتا تو وہ نہ صرف صدیق اکبر بلکہ جملہ خلفائے راشدین کو ظالم و غاصب بھی مانتا ہے بلکہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی مخالفت کا بھی مرتکب بھی ہوتا ہے۔

مطالبہ فدک اجتہادی تھا یا نہیں؟

باغ فدک کو لیکر دو موقف تھے، ایک سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کا، دوسرا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا۔ دونوں ہی حضرات کے پاس دلائل تھے لیکن بعد گفتگو سیدنا ابو بکر صدیق کا موقف مبنی بر صواب ثابت ہوا۔ خاتون جنت نے بھی آپ کے موقف کی درستی کو تسلیم کر لیا، امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

ان فاطمة عليها السلام رضيت بقول ابي بكر بعد هذه المناظرة. وانعقد الاجماع على صحة ماذهب اليه ابوبكر۔
(تفسیر الرازی: ج ۹ ر ص ۵۱۴، دار احیاء التراث العربی بیروت)

"حضرت فاطمہ پر سلامتی ہو، بے شک وہ اس مباحثہ کے بعد حضرت ابو بکر کے فیصلے سے راضی ہو گئیں اور حضرت ابو بکر کے موقف کی صحت و درستی پر اجماع منعقد ہو گیا۔"

بعض اہل علم مطالبہ فدک کو اجتہادی ہی تسلیم نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ "حضرت فاطمہ کا مطالبہ کوئی اجتہادی عمل نہیں تھا بلکہ قرآن کے نص صریح پر عمل تھا اور حضرت صدیق اکبر کے ذریعے حدیث رسول کی اشاعت سے پہلے اس عمل پر اعتقاد ہی قرآن کا مطلوب تھا۔"

مطالبہ فدک اجتہادی تھا، اس پر علمائے اسلام کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں:

"جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پتا چلا کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کچھ کبیدہ خاطر ہیں، اس لیے نہیں کہ میں نے ان کو حدیث رسول سنائی ہے بلکہ اس لیے کہ میرا اجتہاد ان کے اجتہاد سے بہتر ہے۔" (مشکلات الحدیث: ص ۲۰۷)

علامہ سید ظہیر الدین زیدی قادری قاصول فقہ بیان کرتے ہوئے "الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''یعنی ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے ساقط نہیں ہوتا یعنی ٹوٹتا نہیں ہے۔اس قاعدے کی بنیاد صحابہ کرام کا عمل ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چند مسائل کے سلسلے میں حکم صادر فرمایا جس کی مخالفت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کی مگر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حکم اس سے نہ ساقط ہوا نہ کالعدم، **اسی طرح فدک کے بارے میں خلیفہ اول کا حکم حضرت عباس حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے نہ ٹوٹا نہ ساقط ہوا۔''**

(ضمیمہ بہار شریعت: ج ۳/ص ۵۶۸ مطبع فرید بک ڈپو دہلی)

شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ میں اس حدیث کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا **بلکہ ان کے درمیان رائے اور اجتہاد کا اختلاف تھا۔''** (شرح صحیح مسلم: ج ۵/ص ۴۳۸)

اسی میں لکھتے ہیں:

''کیا حضرت ابوبکر پر یہ لازم تھا کہ اجتہادی امور میں بھی **حضرت فاطمہ کی موافقت کریں گے** تو اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کیوں کہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی موافقت لازم نہیں ہے۔'' (ایضاً)

''روشن خیالی'' کے داعی اعظم ڈاکٹر طاہر القادری مسئلہ فدک پر اپنے حالیہ بیان میں کہتے ہیں:

''مطالبہ فدک میں سیدہ النسا کا اپنا فہم اور اجتہادی رائے تھی۔'' (مکمل تقریر یوٹیوب پر موجود ہے)

البدایہ والنہایہ میں ہے:

وقد روینا ان فاطمة رضی الله عنها احتجت اولاً بالقیاس وبالعموم فی لآیة الکریمة. فاجابها الصدیق بالنص علی الخصوص بالمنع فی حق النبی۔''

(البدایہ والنہایہ، ج ۵/ص ۲۸۹ دار الفکر بیروت)

''ہم نے روایت کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے قیاس اور آیت کریمہ کے عموم سے استدلال فرمایا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نص کے ذریعے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہاں پر منع خاص ہے۔''

مذکورہ حوالہ جات سے واضح ہوجاتا ہے کہ مطالبہ فدک میں سیدہ کائنات نے اجتہاد فرمایا تھا۔البدایہ والنہایہ کے حوالے سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے دو طرح سے اجتہاد فرمایا پہلے قیاس سے اور بعدہ آیت کے عمومی حکم سے! مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:

عن ابی سلمة ان فاطمة قالت لابی بکر من یرثك اذا مت؟ قال ولدی واهلی. قالت فما لنا لا نرث النبی ﷺ؟ قال سمعت النبی ﷺ یقول ان النبی لا یورث.

(مسند احمد بن حنبل: ج ۱/ص ۲۶۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

''حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کا وارث کون ہوگا؟ صدیق اکبر نے فرمایا میری اولاد اور میرے گھر والے۔حضرت فاطمہ نے فرمایا: پھر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کیوں نہیں ہوں گے؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔''

شرح معانی الآثار کی روایت میں ہے:

عن ام هانی ان فاطمة رضی الله عنها قالت یا ابا بکر من یرثك اذا مت؟ قال ولدی واهلی. قالت فما لك ترث النبی ﷺ دونی؟ قال: یا ابنة رسول الله ﷺ ما ورث ابوك دارا ولا ذهباً ولا غلاماً۔ (شرح معانی الآثار: ج ۳/ص ۳۰۸، عالم الکتب الطبعة، مدینہ منورہ)

''حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابوبکر آپ کے انتقال کے بعد آپ کا وارث کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا میری اولاد اور گھر والے۔حضرت فاطمہ نے کہا: تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث میرے علاوہ کو کیوں بناتے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا: اے شہزادی رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے والد نے گھر، سونا اور غلام وراثت میں نہیں چھوڑے۔''

ان حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے مطالبہ فدک میں فہم واجتہاد سے کام لیا تھا، جو کہ ان کا منصب بھی تھا۔اس لیے جو احباب اس معاملے میں اجتہاد کا انکار کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ جس طرح سیدہ کے اجتہاد پر واضح حوالہ جات پیش کریں، جس طرح اثبات اجتہاد پر واضح اقتباسات پیش کیے گیے ہیں۔یہ اقتباسات بھی بطور نمونہ پیش کیے گیے ہیں ورنہ اسلاف کی کتب میں جا بجا اس کی تصریح موجود ہے۔

□□□

باغ فدک کے مسئلہ پر حالیہ بحران:
حقیقت کی تلاش

از: طارق انور مصباحی = ایڈیٹر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

ماہ فروری 2020 میں ڈاکٹر آصف اشرف جلالی صاحب قبلہ نے ایک رافضیہ کا جواب دیتے ہوئے ایک جملہ کہا۔اس کے بعد ہندو پاک میں بحث کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا، پھر 20: جولائی 2020 کوڈاکٹر موصوف کو گرفتار کرلیا گیا۔موصوف کی گرفتاری اہل سنت وجماعت کے لیے ایک اذیت رساں امر ہے۔

ایسے مواقع پر دفع فتنہ کے واسطے مشروط توبہ کی جا سکتی ہے۔جب کسی کلام کی غلطی ثابت نہ ہو تو غیر مشروط توبہ نہیں ہوسکتی، کیوں کہ بلاشرط، توبہ کی صورت میں صحیح قول کو ترک کرنا اور غیر صحیح کو اختیار کرنا لازم آئے گا۔ہاں، بحث کا دروازہ بند کرنے کے واسطے مشروط توبہ میں کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی ،مثلاً اس طرح کہا جائے:

''اگر میرا قول شریعت اسلامیہ کی نظر میں قابل گرفت ہے تو میں نے اس کلام سے توبہ ورجوع کیا''۔

چوں کہ ایسے مواقع پر عام طور پر ''کلموا الناس علی قدر عقولہم'' کا لحاظ نہ کرنے کے سبب شور وہنگامے ہو جاتے ہیں تو ہنگامہ آرائی کو ختم کرنے کی راہ اپنانی ہوگی، اور اس کلام سے قائل کا جو مقصود تھا ،اس کو سہل اسلوب میں پیش کرنا ہوگا۔اس طرح ہنگاموں کو کنٹرول کرنے میں بھی آسانی ہوگی اور قوم کی صالح رہنمائی بھی ہوسکے گی۔

ایسے موقع پر اہل حق کو بھی متکلم کے کلام کے ساتھ اس کے مقاصد پر بھی نظر رکھنی چاہئے، تا کہ ہنگامے بھی بند ہوں اور باطل نظریات کو بھی دفن کیا جاسکے۔مومنین کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ مقصد اولین ہے۔اختلاف کے سبب عوام مسلمین انتشار میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جو مقصد اصلی تھا، وہ نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔

پاکستان کے ایک معترض کی آڈیو کلپ سننے کا موقع ملا۔جس میں ڈاکٹر موصوف پر بے ادبی ،اور کفر لزومی کی بات کی گئی تھی۔اسی کلپ کے مشمولات پر مختصر تبصرہ مرقومہ ذیل ہے۔مضمون میں کسی فریق کے نام کی بجائے متکلم اور فریق دوم کے لفظ سے تعبیر ہوگی۔کسی فریق کی حمایت کی بجائے حکم شرعی کا بیان ہوگا: واللہ الموفق والہادی

لفظ خطا کے متعدد معانی:

فریق دوم کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم نے جس بیان میں وقوع خطا کی بات کی ہے، وہاں خطا سے خطائے اجتہادی مراد نہیں لیا جا سکتا، کیوں کہ سیاق کلام اور قرینہ سے یہ ثابت ہے کہ یہاں اس خطا کی بات ہے، جس سے اہل بیت محفوظ ہیں اور یہ خطائے اجتہادی نہیں، بلکہ وہ خطا بمعنی معصیت ہے۔اب اس خطا کے وقوع کی نسبت حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کرنا یقینا ایک غلط بات ہے۔اس سے فریق اول کو توبہ کرنی واجب ہے۔نیز وہاں خطائے اجتہادی کا قول کرنا بھی مناسب نہیں، کیوں کہ حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وراثت سے متعلق قرآن مجید کی قطعی الدلالت آیت مقدسہ کے پیش نظر باغ فدک میں میراث کا مطالبہ کیا تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث نبوی کے پیش نظر باغ فدک میں میراث جاری نہ فرمائی، اس لیے یہاں دونوں شخصیتوں پر کوئی اعتراض نہیں۔(ملخصا)

جواب: لفظ خطا کے متعدد مفاہیم:

(1) اگر فریق دوم کی وضاحت کے اعتبار سے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہاں خطا سے خطائے اجتہادی مراد نہیں ہوسکتی ہے تو بھی یہاں شہزادی رسول حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر

کوئی اعتراض وارد ہونے کی گنجائش نہیں۔ شاید متکلم نے اس مفہوم کو بھی اپنے وضاحتی بیان میں پیش کیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

کسی سے صدور خطا بھی ہو، اور حکم خطا بھی عائد نہ ہو، یعنی اس مرتکب کے حق میں وہ امر خطا نہ ہو، جیسے علم ویقین کی حالت میں کسی ضروری دینی کا انکار یقینا کفر ہے، لیکن نو مسلم لاعلمی کی حالت میں کسی ضروری دینی کا انکار کردے تو اس ضروری دینی سے لاعلم ہونے کے سبب نو مسلم کا انکار کفر نہیں، اسی لیے اس پر حکم کفر عائد نہیں ہوگا اور لاعلمی کے سبب ضروری دینی کا انکار اس کے حق میں کفر نہیں ہوگا ۔ یہاں نو مسلم سے کفر کا صدور بھی ہوا، لیکن وہ نہ اس کے حق میں کفر ہے، نہ ہی اس پر کفر کا حکم کا وارد ہوتا ہے۔ حکم کفر اس وقت وارد ہوگا، جب اس کو علم ویقین ہو جائے کہ یہ ضروری دینی ہے۔ جب علم یقینی ہو جانے کے بعد انکار کرے تو یہ انکار کفر ہے۔

مسئلہ حاضرہ کی تفہیم کے لیے ایک مثال رقم کی جاتی ہے۔ زید کے والد نے اپنی جائیداد کا نگراں اور محافظ کسی کو بنا دیا تھا۔ اس کی جائیداد میں ایک انگور کا باغ تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد زید نے اس محافظ ونگراں سے انگور کے باغ میں اپنی وراثت طلب کی تو نگراں نے کہا کہ آپ کے والد نے وہ باغ فلاں کو فروخت کر دی تھی، اور اس خریدار نے اس باغ کی حفاظت ونگرانی بھی میرے ذمہ کر دی ہے تو میں جیسے آپ کی جائیداد کی حفاظت کرتا ہوں، اسی طرح اس کے باغ کی بھی حفاظت ونگرانی کرتا ہوں۔

پھر اس محافظ نے اس کے والد کے انگور کا باغ فروخت کرنے کے کاغذات اور گواہوں کے نام بتائے۔ زید نے گواہوں سے بھی تحقیق کر لی اور اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کے والد نے وہ باغ فروخت کر دی تھی۔

اب کسی نے کہا کہ زید باغ کے مطالبہ میں خطا پر تھا تو یہ بات صحیح ہے کہ جب وہ باغ اس کے والد کی ملکیت نہیں تھا تو اس باغ میں وراثت کا مطالبہ غلط تھا، لیکن لاعلمی کی صورت میں وراثت کا مطالبہ جرم نہیں۔ اگر جان بوجھ کر زید باغ کا مطالبہ کرتا تو اب یہ مطالبہ جرم ہوتا، کیوں کہ جس کا یہ مستحق نہیں، اس کا مطالبہ کر رہا ہے۔

لاعلمی کے سبب جو غلط مطالبہ ہوا، وہ ظاہر میں غلط مطالبہ ہے لیکن حقیقت میں صحیح مطالبہ ہے، کیوں کہ اس نے اپنے والد کی ملکیت سمجھ کر مطالبہ کیا، پس یہاں کسی امر میں دو اعتبار ہوتے ہیں۔ ظاہری اعتبار اور حقیقی اعتبار۔

حقیقی اعتبار سے یہ مطالبہ صحیح ہے۔ ظاہری اعتبار سے یہ مطالبہ غلط ہے۔ جو اس مطالبہ کو صحیح کہے، اس نے حقیقی اعتبار سے اس کو صحیح کہا اور جس نے غلط کہا وہ ظاہری اعتبار سے غلط کہا۔

اب یہاں دوسرا کہے کہ زید اپنے مطالبہ میں صحیح تھا تو یہ بات بھی صحیح ہے کہ جب اس نے اپنے والد کی ملکیت سمجھ کر مطالبہ کیا تو حقیقت میں وہ غلط مطالبہ کرنے والا نہیں، اسی لیے جب اسے باغ فروخت ہونے کا علم ہو گیا تو اس نے مطالبہ ترک کر دیا، کیوں کہ وہ جائز حق کی طلب میں تھا۔ جب اس پر واضح ہو گیا کہ باغ اس کے والد کی ملکیت میں نہیں تو وہ اس باغ کا حقدار نہیں، اور اس جانکاری کے بعد اس کا ترک مطالبہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ حقیقت میں غلط مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، ورنہ جانکاری کے بعد بھی وہ مطالبہ جاری رکھتا۔

مذکورہ بالا عبارت میں جو مفہوم بیان ہوا، یہ عام انداز میں مسئلہ کی تفہیم کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ ارباب فضل وکمال کے لیے لفظ خطا کا استعمال عرف میں معیوب ہو تو ان کی عظمت شان کے موافق الفاظ وعبارات میں اس مفہوم کو باندازِ احسن پیش کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف ارباب فضل وکمال ، بلکہ ہر مومن قابل تکریم ہے۔ لوگ اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بے ادبوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں، حالاں کہ ان پر سخت شرعی احکام وارد ہیں، اور سنی مسلمانوں کی تذلیل کرتے ہیں، حالاں کہ ان سے محبت وتکریم کا حکم ہے۔

لفظ خطا کے تین معانی کا بیان:

مذکورہ بالا تشریح کے مطابق خطا کے تین مفہوم ہوں گے: (1) وہ خطا جو معصیت ہو (2) وہ خطا جو غیر معصیت ہو۔ اس پر نہ اجر وثواب ہو، نہ ہی گناہ۔ (3) وہ خطا جو موجب اجر وثواب ہے ، یعنی اجتہادی خطا۔

مطالبہ باغ فدک میں خطا کے معنی اول مراد ہونے کی کوئی صورت نہیں، کیوں کہ میراث نبوی سے متعلق حدیث نبوی میں بیان کردہ خصوصی حکم سے عدم معرفت ، اور قرآن مجید میں بیان کردہ حق میراث کے پیش نظر خاتون جنت حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ حق پر مبنی ہے تو ایسی صورت میں عند الشرع یہ مطالبہ معصیت قرار نہیں پا سکتا۔ جب جان بوجھ کر کوئی خلاف شرع مطالبہ ہو، تب وہ

مخالفت شرع کے سبب معصیت ہوگا۔

جب حدیث نبوی سن کر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے عدم استحقاق کا علم ہوا، اور آپ نے مطالبہ ترک فرما دیا تو اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ وہ موافق شرع میراث کا مطالبہ فرما رہی تھیں۔

حدیث نبوی سن کر مطالبہ ترک کرنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بحکم قرآنی اپنے حق کا مطالبہ فرما رہی تھیں۔ جب یہ مطالبہ درحقیقت قرآن مجید کے موافق تھا تو اس مطالبہ کے معصیت ہونے کی کوئی راہ موجود نہیں۔ اگر ان کو حدیث نبوی پہلے معلوم ہوتی تو مطالبہ ہی نہ فرماتیں، جیسے مطالبہ کے بعد حدیث نبوی معلوم ہونے پر مطالبہ بالکل ترک فرما دیا۔ دوبارہ کبھی مطالبہ نہ فرمائیں۔

یہاں لفظ خطا کے بیان کردہ تین معانی میں سے پہلا معنی معصیت ہے، اور مطالبہ باغ فدک پر یہ معنی کسی طور پر منطبق نہیں ہوتا تو مطالبہ باغ فدک میں یہ معنی مراد نہیں ہوسکتا۔ اب معنی دوم و معنی سوم باقی رہے۔

معنی سوم کی نسبت ارباب فضل وکمال کی طرف نہ شرعاً معیوب ہے، نہ ہی عرفاً معیوب ہے۔ معنی سوم کی تعبیر کے واسطے خطائے اجتہادی کا لفظ مروج ہے اور ارباب فضل وکمال کے لیے خطائے اجتہادی کا لفظ استعمال کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا، بلکہ خطائے اجتہادی موجب اجر وثواب اور مظہر فضل وکمال ہے، کیوں کہ نہ کوئی عام آدمی اجتہاد کر سکتا ہے، اور نہ اس سے خطائے اجتہادی ہوسکتی ہے۔ اجتہاد کوئی مجتہد ہی کر سکتا ہے۔

خطائے اجتہادی اعلیٰ درجہ کے اہل فضل وکمال یعنی مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔ اس خطا پر بھی انہیں ایک اجر وثواب ہے، کیوں کہ انہوں نے شرعی دلیل میں غور وفکر کیا اور حق کو پانے کی کوشش کی، گرچہ حق تک رسائی نہ ہوسکی، لیکن ان کی محنت ومشقت، شرعی دلائل میں غور وفکر اور اصابت حق کی نیت صالح وقصد محمود پر انہیں اجر ملتا ہے۔ اگر حق کو پالیتے تو دو ثواب انہیں ملتا۔ اس کا ذکر حدیث مصطفوی میں موجود ہے۔

مسئلہ حاضرہ میں متکلم معنی سوم مراد لیتا ہے، اور فریق دوم معنی سوم مراد لینے پر اعتراض کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ معنی سوم مراد نہیں ہو سکتا۔ اب ایک معنی باقی رہا، یعنی معنی دوم۔ یہاں معنی اول مراد نہیں ہوسکتا، اور فریق دوم معنی سوم مراد لینے کا منکر ہے تو اگر معنی اول اور معنی سوم مراد نہ ہو تو صرف معنی دوم کی گنجائش باقی رہی۔

معنی دوم مراد لینے پر متکلم پر اعتراض ہوگا، یا نہیں۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ ہندو پاک میں شور محشر اسی معنی دوم نے کھڑا کر دیا ہے۔ اسی شور وغوغا نے اہل حق کو بھی اس جانب متوجہ کر دیا۔

معنی دوم کی نسبت ارباب فضل وکمال کی طرف:

مفہوم دوم حقیقت میں غیر معصیت ہے، لیکن اس کی ظاہری شکل وصورت معصیت کی طرح ہے، اسی لیے عرف میں ارباب فضل وکمال کی طرف اس کی نسبت کو غیر مناسب سمجھا جاتا ہے۔ چوں کہ عرف میں ارباب فضل کی طرف لفظ خطا کی نسبت کو معیوب سمجھا جاتا ہے تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ اس عرف کے اعتبار سے ارباب فضل کے لیے لفظ خطا کا استعمال از روئے شرع خلاف اولیٰ وغیرہ ہوگا یا نہیں؟ اس کی تحقیق کرنی ہوگی۔ قبل تحقیق کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ آج جو صورت لفظ خطا کی ہے، وہی حال لفظ باغی کا ہے۔

صحابی رسول حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ برحق شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخالفت کی لیکن وہاں اجتہادی خطا کے سبب مخالفت تھی۔ وہاں گناہ کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس مخالفت کو پہلے بغاوت کہا جاتا تھا، لیکن بعد میں علمائے اسلام اس مخالفت کو بغاوت سے تعبیر کرنا ناپسند فرمانے لگے، کیوں کہ بعد میں بغاوت کا مشہور مفہوم الگ ہوگیا، اسی لیے اب ان نفوس قدسیہ کو باغی نہیں کہا جائے گا۔ اب باغی کی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنا ہوگا۔ صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صحابی رسول حضرت طلحہ وحضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> ''عرف شرع میں بغاوت مطلقاً مقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں۔ عناداً ہو، خواہ اجتہاداً۔ ان حضرات پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئہ باغیہ آیا ہے، مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد ومعاند وسرکش ہوگیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے۔ اب کسی صحابی پر اس کا

اطلاق جائز نہیں''۔(بہار شریعت حصہ اول ص ۲۶۰-مجلس المدینۃ العلمیہ)

اب سوال یہ ہے کہ کیا لفظ باغی کی طرح ارباب فضل وکمال کے لیے لفظ خطا کا بھی استعمال نہیں ہونا چاہئے، گرچہ لفظ خطا سے وہاں گناہ مراد نہ ہو، بلکہ بھول چوک، سہو ونسیان وغیرہ مراد ہو۔ فقہائے اسلام اس بارے میں حکم شرعی کی وضاحت فرمائیں، تاکہ عوامی شوروہنگامے بند ہوں۔ دوملک ہنگاموں کی لپیٹ میں ہے۔

ہندوپاک میں اردو زبان مروج ہے۔ اردو کے مشہور لغت فیروز اللغات میں لفظ خطا کے متعدد معانی مرقوم ہیں۔ یہ مشترک لفظ ہے۔ اردو زبان میں غلطی، سہو، بھول، چوک کے معنی میں اس کا استعمال مشہور ہے۔

لفظ خطا کے معانی:

(۱) قصور، گناہ، جرم، تقصیر (۲) غلطی، سہو، بھول، چوک ۔(فیروز اللغات: فصل خ ط)

جب فریق دوم خطائے اجتہادی مراد لینے پر معترض ہے تو خطائے اجتہادی مراد نہ لیا جائے، تو بھی حدیث نبوی کی عدم معرفت، اور آیت قرآنیہ میں استحقاق وراثت کے اعتبار سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باغ فدک کا مطالبہ حقیقت میں عدم معصیت ہے، گرچہ ظاہری اعتبار سے وہ تسامح ہو۔

لفظ خطا سے احتراز کے طور پر لفظ تسامح استعمال ہوا۔ اس سے بہتر کوئی لفظ ہو تو اسی کا استعمال کیا جائے۔ یہاں مسئلہ کی تفہیم مقصود اصلی ہے، نہ کہ کسی خاص لفظ کا استعمال۔ لفظ تسامح اہل فضل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آمدم برسر مطلب:

اگر ارباب فضل وکمال کے حق میں معنی دوم کی تعبیر کے لیے لفظ خطا کا استعمال عرف میں معیوب سمجھا جاتا ہو تو لفظ میں تبدیلی کر کے شایان شان لفظ کا استعمال ہو مثلاً تسامح، یا اس سے بھی بہتر تعبیر تلاش کی جائے۔

چوں کہ یہاں لفظ خطا کے معنی میں عدم معصیت کا مفہوم ملحوظ ہے تو متکلم نے اسی عدم معصیت کی وضاحت کے واسطے بعد میں کہا:''بے خطا بے گناہ سیدہ طاہرہ''۔ اس سے متکلم کا اعتقاد حق بھی واضح ہو گیا۔

خطا کا یہ معنی دوم عند الشرع معصیت نہیں ہے تو اگر متکلم نے اس کی نسبت کسی معظم دینی کی طرف کر دی تو ان کی طرف معصیت کی نسبت کرنا ثابت نہیں ہوا، بلکہ عدم معصیت کی نسبت کرنا ثابت ہوا، کیوں اس کے مفہوم میں عدم معصیت ملحوظ ہے، اور اہل فضل کی طرف عدم معصیت کی نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لفظ خطا کے استعمال پر صرف عرفی طور پر اعتراض ہوگا، شرعی طور پر نہیں۔ چوں کہ یہ لفظ عرفا معیوب سمجھا گیا تو متکلم نے اس کو بدل کر اس طرح کر دیا:''سیدہ معصومہ نہیں اور ابوبکر ظالم نہیں''۔

اب عرفی طور پر بھی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اگر بیان اول میں لفظ خطا کے استعمال کے سبب کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ان سے معذرت خواہی مناسب ہے، لیکن یہاں کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوتا۔

مفہوم سوم یعنی خطائے اجتہادی مراد لینا صحیح ہے یا نہیں؟

(2) فریق دوم لفظ خطا سے خطائے اجتہادی مراد لینے پر معترض ہے اور اس بات کا مدعی ہے کہ سیاق کلام یعنی قرینہ لفظ خطا کے مفہوم کو متعین کر رہا ہے، اور ماقبل کلام میں جس خطا کا ذکر ہے، وہ خطائے اجتہادی نہیں، بلکہ وہ خطا ہے، جس سے غیر معصوم محفوظین محفوظ قرار دیئے جاتے ہیں، جب کہ خطائے اجتہادی کا صدور محفوظین سے ہوتا ہے۔(ملخصا)

جواب: دراصل لفظ خطا کسی مفہوم میں متعین ومفسر نہیں۔ اس میں متعدد معانی کا احتمال موجود ہے۔

اس کے معنی کے تعین کے لیے قرینہ یا بیان متکلم کی ضرورت درپیش ہوگی۔ فریق دوم نے قرینہ کا لحاظ کیا اور فریق اول نے اپنا بیان قطعی جاری کیا۔ یہاں متکلم نے صریح ومفسر لفظوں میں بار بار کہا کہ خطا سے ہماری مراد خطائے اجتہادی ہے۔ ان کا یہ بیان، بیان قطعی بالمعنی الاخص ہے۔ اس کے بالمقابل قرینہ کو ترجیح حاصل نہیں ہو سکتی، گرچہ یہاں قرینہ کو قطعی بالمعنی الاعم بھی مان لیا جائے۔

بیان کبھی ظنی، کبھی قطعی بالمعنی الاعم اور کبھی قطعی بالمعنی الاخص ہوتا ہے۔ قرینہ کبھی ظنی اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم ہوتا ہے۔ قرینہ قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا، کیوں کہ وہاں یہ احتمال بعید موجود ہوتا ہے کہ متکلم کی مراد وہ نہ ہو جو قرینہ سے ظاہر وثابت ہو رہا ہے۔ مسئلہ حاضرہ میں سیاق کلام قرینہ ہے اور خطائے اجتہادی مراد ہونا متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص سے ثابت ہوا۔

جب بیان قطعی بالمعنی الاخص اور قرینہ میں تعارض ہو تو بیان قطعی بالمعنی الاخص کو ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ قرینہ کبھی ظنی اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم ہوتا ہے۔ اگر یہاں قرینہ کو قطعی بالمعنی الاعم بھی مان لیا جائے تو بھی وہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے مقابلے میں ترجیح نہیں پا سکے گا، کیوں کہ قطعی بالمعنی الاعم اور قطعی بالمعنی الاخص میں تعارض ہو تو قطعی بالمعنی الاخص کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اصول فقہ کی اصطلاح کے اعتبار سے اس طرح کہا جائے گا کہ مفسر کے مقابلے میں نص موجود ہو تو مفسر کو ترجیح ہوگی، کیوں کہ نص میں جانب مخالف کا احتمال بعید ہوتا ہے، اور مفسر میں جانب مخالف کا احتمال بعید بھی نہیں ہوتا، لہٰذا مفسر راجح قرار پائے گا۔

قرینہ اور بیان قطعی کی تفصیلی بحث ''البرکات النبویہ'' رسالہ دہم (باب سوم: فصل چہارم) میں ہے۔

ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں بیان قطعی بالمعنی الاخص کا اعتبار ہوگا۔ قرینہ قطعی الاخص نہیں ہوتا، اس لیے ضروریات دین اور باب تکفیر کلامی میں قرینہ کا

505450 ِ علی المقاصِدِ {(المستص فی ل لغزالی جلداول ص
(366

توضیح: منقولہ بالا عبارت سے واضح ہو گیا کہ متکلمین کے یہاں صرف قول کے ذریعہ بیان واقع ہوتا ہے۔ فعل، اشارہ، رمز وغیرہ قرینہ ہیں۔ قرینہ قطعی بھی ہو تو قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا اور ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قطعی بالمعنی الاخص دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، پس ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قرینہ کے ذریعہ معنی کا تعین نہیں ہو سکتا۔

قرینہ کبھی ظنی ہوتا ہے اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم۔ جب قرینہ قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا تو ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قرینہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرینہ کبھی بیان قطعی بالمعنی الاخص کے بالمقابل راجح قرار نہیں پائے گا، مثلاً قطعی قرینہ بتا رہا ہے کہ یہاں متکلم کی مراد کفری معنی ہے، لیکن بیان قطعی بالمعنی الاخص اس کے خلاف ہے تو بیان قطعی کا لحاظ ہوگا۔

اشخاص اربعہ کا کفری کلام، کفری معنی میں متعین اور مفسر یعنی کفری معنی میں قطعی بالمعنی الاخص ہے، اسی لیے تاویل قبول نہیں کی گئی۔ وہاں کسی قرینہ کے سبب کفری معنی کا تعین نہیں ہوا تھا، بلکہ خود کلام کفریہ معنی میں مفسر و متعین تھا۔ مفسر کلام میں قرینہ یا بیان کا لحاظ نہیں ہوتا، بلکہ کلام کے متعین معنی کے اعتبار سے حکم جاری ہوتا ہے۔ محتمل کلام میں قرینہ یا بیان کا لحاظ ہوتا ہے۔

مسئلہ حاضرہ میں لفظ خطا متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ جب فریق دوم نے بھی معنی کی وضاحت کے لیے قرینہ اور سیاق کلام کو دلیل بنایا تو اس کے یہاں بھی لفظ خطا محتمل ہے۔ اب متکلم کا قطعی بالمعنی الاخص بیان آ گیا تو قرینہ کا لحاظ نہیں ہوگا، بلکہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے سبب لفظ خطا سے خطائے اجتہادی مراد ہوگی۔

اگر خطائے اجتہادی، لفظ خطا کا معنی نہ ہوتی، تب متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص کا لحاظ نہیں ہوتا، کیوں وہ ایسے معنی کا بیان ہو جاتا کہ لفظ جس کا احتمال ہی نہیں رکھتا، لیکن یہاں لفظ خطا کا ایک معنی خطائے اجتہادی ہے تو متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص سے وہ معنی متعین ہو جائے گا اور قرینہ کی دلالت کا لحاظ نہیں ہوگا، کیوں کہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے بالمقابل قرینہ مرجوح ہوگا، گرچہ قرینہ قطعی بالمعنی الاعم بھی ہو۔

فریق دوم کی تعبیر بہت عمدہ:

فریق دوم نے کہا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ قرآن مجید کے موافق تھا، لہٰذا وہ حق پر تھیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منع فرمانا حدیث کے موافق تھا، لہٰذا وہ بھی حق پر تھے، یعنی اس باب میں دونوں حق پر تھے۔ یہ عمدہ تعبیر ہے اور عوامی خلفشار سے بچنے کی عمدہ راہ ہے۔ دراصل عہد حاضر میں ہمیں حقانیت کے ساتھ ان راہوں کی تلاش اور ان تعبیرات کا لحاظ کرنا ہوگا جس سے بدمذہبیت فنا ہو سکے۔ کئی سالوں سے رافضیت کا قدم اہل سنت و جماعت کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ ہمیں متحد و متفق ہو کر اس پر بند باندھنا چاہئے۔

امکان وقوعی کی بحث:

فریق دوم نے متکلم کے امکان وقوعی والی بحث پر جو کلام کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب متکلم نے عہد ماضی میں تمام ممکن امور کے لیے امکان وقوعی، بلکہ ضرورت و دوام ثابت مان لیا تو تمام غیر معصومین کے لیے تمام گناہ اور کفر و ارتداد بھی ممکن ہے تو اس اعتبار

سے عہد ماضی کے تمام غیر معصومین کا معاذ اللہ کفر وشرک وغیرہ میں مبتلا ہونا ثابت ہوگیا اور ایسا قول کرنا مفضی الی الکفر ہے، لہذا متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد ہوتا ہے۔(ملخصا)

جواب: صفات الٰہیہ اور صفات بندگان الٰہی میں فرق

(1) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے امکان کی جو بحث فرمائی۔ (فتاویٰ رضویہ: ج15 ص345-346) وہ بحث اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق ہے۔ وہ بحث بندوں کی صفات پر منطبق نہیں ہوسکتی۔ صفات الٰہیہ اور بندوں کی صفات میں بہت فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، صفات کمالیہ ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ج15 ص349) تمام صفات بالفعل حاصل ہیں، بلکہ واجب بالذات ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: 15 ص348)

اگر کسی صفت کے بارے میں کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لیکن حاصل نہیں ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ کوئی صفت کمال رب تعالیٰ سے متخلف ہے، اور اس کے علاوہ مزید دیگر نقص لازم آئیں گے۔ (فتاویٰ رضویہ: 15 ص348)

اسی طرح اگر کوئی صفت بالفعل حاصل نہ ہو تو جب حاصل ہوگی، تب ذات الٰہی میں تغیر پایا جائے گا اور ذات الٰہی میں تغیر محال ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: 15 ص347)

دیوبندیوں کے عقیدۂ امکان کذب کا رد کرتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا کہ بقول دیابنہ جب کذب اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہے تو یہ ثابت بھی ہوگا، بلکہ بالفعل اور دائمی وضروری طور پر ثابت ہوگا، کیوں کہ اگر کلام لفظی میں کذب ہو تو کلام نفسی میں بھی کذب ہوگا اور جب کلام نفسی میں کذب ہو تو وہ بالفعل، دائمی اور ضروری ہوگا۔

کلام لفظی میں اسی وقت کذب کا ثبوت ہوگا، جب کلام نفسی میں کذب کا ثبوت ہو، کیوں کہ کلام نفسی مدلول ہے اور کلام لفظی دال ہے۔ دال اسی کو بیان کرتا ہے جو کچھ مدلول میں ہوتا ہے۔

اگر کلام نفسی میں کذب نہ ہو تو کلام لفظی میں کذب کا ہونا محال ہوگا، کیوں کہ کلام لفظی دال ہے اور کلام نفسی مدلول ہے۔ کلام لفظی میں کذب پایا جائے اور کلام نفسی میں نہ پایا جائے تو مدلول کے وجود کے بغیر دال کا وجود پایا گیا اور یہ محال ہے۔ جیسے آئینہ کے سامنے کوئی جسم ہو تو آئینہ میں اس کا عکس آئے گا۔ جب آئینہ کے بالمقابل کوئی جسم نہ ہو تو آئینہ میں کوئی عکس نہیں آئے گا۔ وہی حال دال اور مدلول کا ہے۔

اسی طرح دال کا ذب ہونا، اور مدلول کا صادق ہونا بھی محال ہے۔ کیوں کہ دال اسی کو بیان کرتا ہے جو مدلول میں ہو۔ جب مدلول میں کذب نہیں تو دال میں بھی کذب نہیں ہوگا۔ الحاصل جب کلام لفظی میں کذب ہو تو کلام نفسی میں بھی کذب ثابت ہوگیا اور کلام نفسی، ازلی، ابدی، واجب للذات اور مستحیل التجدد ہے۔

کلام نفسی میں بالفرض اگر کچھ کذب ہے (یہ مفہوم فعلیت ہے) تو ہمیشہ کذب ہی رہے گا (یہ مفہوم دوام ہے) اور وجوبی طور پر وہ کذب رہے گا (یہ مفہوم ضرورت ہے)۔ مستحیل التجدد ہونے کا یہی مفہوم ہے۔

پس کلام لفظی میں امکان کذب ماننے سے (معاذ اللہ عن ذلک) رب کو بالفعل کاذب ماننا اور کلام نفسی میں کذب کو بالفعل ماننا اور اس کذب کا دائمی وضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ سب الزامی مباحث ہیں جو کسی باطل کے بطلان کو واضح کرنے کو لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ امکان کذب کے دھبہ سے بھی پاک ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ من سوء الاعتقاد)

امام اہل سنت وجماعت نے فتاویٰ رضویہ (ج15 ص345-346) میں جو رقم فرمایا۔ اسی کی یہ توضیح ہے۔ بندوں کی صفات کے احکام الگ ہیں۔ بندوں کے لیے کوئی صفت ممکن بالذات ہو تو نہ اس سے امکان وقوعی ثابت ہوتا ہے، نہ ہی فعلیت، نہ ہی دوام، نہ ہی ضرورت۔ نہ ہی وسعت، نہ ہی تکلیف، نہ ہی قدرت۔

بندگان الٰہی کی صفات کے احکام بالکل جداگانہ ہیں۔ صفات الٰہیہ کے احکام اپنے باب تک محدود ہیں۔

بندوں کی صفات اور امکان وقوعی

(2) انسانوں کی دو قسمیں ہیں: (1) غیر معصوم (2) معصوم۔

انسان سے کسی گناہ کا صدور محال بالذات یا واجب بالذات نہیں تو ممکن بالذات ہوگا۔ تینوں صورتوں کا عدم نہیں ہوسکتا، یعنی نہ ممکن بالذات ہو، نہ محال بالذات، نہ واجب بالذات۔ جب ثابت ہوگیا کہ انسان سے گناہ کا صدور ممکن بالذات ہے تو وہ ممکن الوقوع ہے یا نہیں؟ اگر وہاں استحالہ بالغیر ہو تو امکان ذاتی ثابت ہوگا، لیکن استحالہ بالغیر کے سبب امکان وقوعی ثابت نہیں ہوگا۔

امکان وقوعی کا عدم اس وقت تک ہوگا، جب تک کہ استحالہ

بالغیر باقی رہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ استحالہ بالغیر دائمی ہو، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ استحالہ بالغیر عارضی اور غیر دائمی ہو۔

انسان معصوم کے لیے عصمت الٰہی ثابت ہے اور یہ دائمی طور پر ثابت ہے تو انسان معصوم سے گناہ کے صدور کا امکان وقوعی دائمی طور پر معدوم ومسلوب ہوگا۔

انسان غیر معصوم سے گناہ کے صدور کا امکان ذاتی اور امکان وقوعی دونوں ثابت ہیں اور جب استحالہ عارضی بھی ثابت نہ ہو تو امکان وقوعی دوام، ضرورت اور فعلیت کے ساتھ ثابت ہوگا، لیکن امکان وقوعی کے دائمی، ضروری اور بالفعل ہونے سے کسی گناہ کا صدور ثابت نہیں ہو جاتا۔

میرے پاس سو روپے ہیں اور میں مٹھائی کی دوکان میں موجود ہوں، اور مٹھائی خریدنے سے کوئی امر مانع نہیں تو میں مٹھائی خریدنے پر بالفعل قادر ہوں۔ یہاں قدرت کا امکان ذاتی اور امکان وقوعی فعلیت کی صفت کے ساتھ موجود ہے تو اس سے مٹھائی خریدنا ثابت نہیں ہو جاتا۔ جب خریدوں گا، تب خریدنا ثابت ہوگا۔

بندگان الٰہی احکام خداوندی کے مکلف ہیں تو مکلف ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ جب بندہ کسی امر کا مکلف ہے تو وہ امر ممکن بالذات ہو، ممکن الوقوع بھی ہو، اور بندہ کی وسعت وقوت میں بھی ہو: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (سورہ بقرہ: آیت 286)

اس فعل کے صدور کے لیے مزید ایک چوتھا امر چاہئے، جس کو استطاعت کہا جاتا ہے۔ علم کلام کی کتابوں میں استطاعت مع الفعل کی بحث دیکھ لیں۔ کسی امر کے ممکن الوقوع ہونے سے اس کا صدور کیوں کر ہوگا۔ فعل کے ممکن الوقوع ہونے کے ساتھ فاعل کے اندر وسعت (سلامت اسباب وآلات) اور استطاعت (حقیقت قدرت جس سے فعل واقع ہو) چاہئے۔

الحاصل کوئی گناہ ممکن بالذات ہو، یا ممکن وقوعی۔ گناہ کے امکان ذاتی یا امکان وقوعی کے ثبوت سے کوئی حکم بندوں پر عائد نہیں ہوگا۔ جب بندوں سے کسی گناہ کا صدور ہوگا، تب حکم عائد ہوگا۔

فعل کے صدور کے باوجود بعض شرطیں ایسی ہیں کہ ان کے فقدان کے وقت حکم صادر نہیں ہوگا، مثلاً مکرہ ومجبور نے توحید الٰہی کا زبان سے انکار کر دیا اور دل میں تصدیق باقی ہے تو اس پر حکم کفر عائد نہیں ہوگا۔

لزوم کفر کب ثابت ہوتا ہے؟

(3) متکلم نے یہ کہا ہے کہ عہد ماضی میں کسی امر کا امکان تھا تو عہد ماضی اور زمان حال میں اس کا امکان وقوعی تسلیم کیا جائے گا اور مستقبل کا حکم الگ ہے۔ فریق دوم نے امکان وقوعی سے اس امر کا صدور وظہور مراد لے لیا، حالاں کہ امکان وقوعی تسلیم کرنے سے فعل کا صدور ثابت نہیں ہوتا۔

اگر بالفرض امکان وقوعی سے فعل کا صدور مراد لیا جائے تو فریق دوم کے استدلال کے اعتبار سے غیر معصومین کے لیے جہاں کفر وارتداد کا ثبوت ہو جائے گا، وہیں قطبیت وغوثیت اور ولایت ومعرفت اور ایمان وعمل صالح کا بھی ثبوت ہو جائے گا اور یہ معلوم ہے کہ ایمان وکفر دو متضاد امر ہیں، دونوں ایک ہی انسان کے لیے بیک وقت ثابت نہیں ہوسکتے تو یہاں اجتماع متضادین کے محال ہونے کے سبب کسی ایک ہی کا ثبوت ہوگا۔ اب ان دونوں متضادین میں سے کس کا ثبوت مانا جائے؟ کسی کو ترجیح دینے کا کوئی سبب ظاہر نہیں۔

جب دونوں امور متعارض ہیں اور سبب ترجیح موجود نہیں تو جس اعتبار سے ثبوت مانا گیا تھا، اس اعتبار سے دونوں کو ساقط الاعتبار ماننا ہوگا، اور پھر صدور حقیقی کے اعتبار سے کلام ہوگا کہ جس نے حقیقت میں ایمان لایا، وہ مومن ہے اور جس سے حقیقی طور پر کفر صادر ہوا، وہ کافر ہے۔

واضح رہے کہ یہ محض ایک بحث ہے، ورنہ متکلم نے نہ تمام غیر معصومین کا ذکر کیا ہے، نہ ہی غیر معصومین کے ایمان وکفر کی بات کی ہے۔ فریق دوم نے بھی اقرار کیا کہ متکلم نے یہ سب کہا نہیں ہے، لیکن اس کے قول سے ایسا لازم آتا ہے، اور یہ حوالہ دیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بھی دیابنہ کے امکان کذب کے قول اور اللہ تعالیٰ کے ہر شئ پر قادر ہونے کے قول پر بحث کرتے ہوئے لازم آنے والے بہت سے امور کا ذکر کیا ہے، تاکہ قول کی شدت کو واضح کیا جاسکے۔

لیکن فریق دوم نے یہ نہیں دیکھا کہ دیابنہ نے جو کچھ کہا تھا، صرف اسی پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ القوی نے حکم شرعی بیان فرمایا، گرچہ بہت سے لازم آنے والے مفاسد کا ذکر فرمایا، جب کہ یہاں فریق دوم نے ان امور پر حکم شرعی کی بنیاد رکھی، اور متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد کر دیا جن کو متکلم نے بیان ہی نہ کیا تھا، نہ صراحتاً، نہ کنایۃً۔ گرچہ فریق دوم کی

فہم ثاقب کے مطابق وہ امور ثابت ہو رہے ہوں۔

جب کسی کلام سے کسی ضروری دینی کا التزامی انکار ثابت ہوتا ہے تو اس کے قائل پر کفر کلامی کا حکم عائد ہوتا ہے، اور کسی کلام سے ضروری دینی کا لزومی انکار ثابت ہوتا ہے تو اس کے قائل پر کفر فقہی کا حکم ہوتا ہے۔ متکلم کے کلام میں نہ کسی ضروری دینی کا انکار ہے، نہ ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا انکار ہے، پھر متکلم پر حکم کفر کیسے؟

نہ متکلم کے کلام سے التزامی طور پر مومنین کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ لزومی طور پر، پھر متکلم پر حکم کفر کیسے؟

فریق دوم نے لزوم کفر کی جو توضیح کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم نے ایک قول کیا، جس سے ایک دوسرا قول لازم آیا، اب اس دوسرے قول کے اعتبار سے متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد ہوا۔ متکلم نے کہا کہ عہد ماضی میں جس امر کا امکان ذاتی ہو، اس کا امکان وقوعی ثابت ہوتا ہے۔ اس پر فریق دوم کے نقد وجرح کا خلاصہ یہ ہے کہ: عہد ماضی میں تمام غیر معصومین سے کفر وشرک کا صدور ممکن تھا اور جب صدور ممکن تھا تو بقول متکلم اس کفر وشرک کا صدور ثابت ہوا، جب سب کا کفر وشرک ثابت ہوا، تو اس سے عہد ماضی کے مومنین کا کافر ہونا ثابت ہوا، اور جس قول سے مومنین کا کافر ہونا لازم آئے، وہ قول خود کفریہ ہوگا اور قائل پر لزومی کفر کا حکم ہوگا۔

فریق دوم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ متکلم نے جو کلام کہا ہے۔ خود اس کلام سے لزومی یا التزامی کفر ثابت ہوگا، تب متکلم پر کوئی حکم شرعی وارد ہوگا۔ متکلم کے قول سے کوئی دوسرا قول لازم آئے، پھر اس قول لازم سے کفر لازم آئے تو قول لازم سے یہ کفر لازم آیا۔ متکلم کے قول سے کفر لازم نہ آیا۔ جب متکلم کے کلام سے کفر لازم نہ آیا تو اس پر حکم کفر کیوں کر ہوگا؟

کیا امکان ذاتی امکان وقوعی کو مستلزم ہے؟

متکلم کا قول کہ عہد ماضی میں امکان ذاتی کے ثبوت سے امکان وقوعی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا، جب استحالہ بالغیر معدوم ہو، ورنہ ممکن بالذات کے لیے جس عہد میں بھی امتناع بالغیر ثابت ہوگا، اس عہد میں امکان وقو

قیاس الی الزمان الماضی او الحال لا الاستقبال {(حاشیۃ الکلنبوی علیٰ شرح الدوانی علی العضدیہ)

منقولہ بالا عبارت میں طرف ممکن سے طرف وجود مراد لینا محل نظر ہے۔ طرف عدم بھی مراد ہو سکتی ہے۔

ممکن بالذات میں طرف وجود اور طرف عدم دونوں طرف ممکن بالذات ہوتی ہے۔ اب اگر طرف عدم ممکن الوقوع ہو، اور طرف وجود ممکن بالذات اور محال بالغیر ہو، تو یہاں طرف عدم ممکن الوقوع بالفعل ہوگی، کیوں کہ طرف وجود محال بالغیر ہونے کے سبب معدوم ہے تو اگر طرف عدم بھی معدوم ہو تو وجود وعدم دونوں کا معدوم ہونا لازم آئے گا، اور ارتفاع نقیضین لازم آئے گا، پس جب اس ممکن کا وجود نہیں تو عدم ثابت ہوگا، پھر یہاں طرف ممکن الوقوع سے طرف وجود مراد لینا کیوں کر صحیح ہوگا؟

ہاں، جب ممکن کی جانب وجود وجانب عدم میں سے کسی جانب استحالہ بالغیر نہ ہو تو دونوں جانب ممکن الوقوع ہوں گی، لیکن محض ممکن الوقوع ہونے کے سبب کسی ایک جانب کا بالفعل ہونا ثابت نہ ہوگا، گرچہ کوئی ایک جانب وہاں بالفعل ثابت ہوگی، ورنہ ارتفاع نقیضین لازم آئے گا، مگر جانب ثابت کے ساتھ جانب غیر ثابت کا امکان وقوعی ثابت ہوگا، کیوں کہ جانب غیر ثابت میں استحالہ بالغیر نہیں ہے۔ ہاں، دونوں جانب، یعنی جانب وجود وجانب عدم دونوں بیک وقت موجود بالفعل یعنی بالفعل ممکن الوقوع نہیں ہوں گی۔

سوال: جب کسی کے لیے جانب ایمان ثابت ہے تو جانب ایمان کے ثبوت کے وقت جانب کفر کا ثبوت محال ہے، ورنہ اجتماع نقیضین لازم آئے گا، تو ثبوت ایمان کے وقت ثبوت کفر ممتنع بالغیر ہونا چاہئے۔

جواب: جانب ایمان کے ثبوت کے وقت جانب کفر کا ممکن الوقوع ہونا ثابت ہے، ممکن الوقوع بالفعل ہونا ثابت نہیں۔ ممکن الوقوع بالفعل ہونا اسی وقت ثابت ہوگا، جب ایمان کا زوال ہو جائے، نیز ایمان ممکن الزوال ہے۔ جب ایک طرف ممکن الزوال ہوگی تو طرف ثانی ممکن الوجود اور ممکن الوقوع ہوگی، گرچہ ممکن الوجود بالفعل یعنی بالفعل موجود نہ ہو۔ ارباب منطق توجہ فرمائیں اور متکلم بھی نظر ثانی فرمائے۔

رب تعالیٰ کے وعدۂ عصمت کے سبب معصوم کے لیے گناہ محال بالغیر ہوگا، ورنہ کذب کلام الٰہی لازم آئے گا، اور یہ محال بالذات ہے۔ محفوظ عن الخطا کے لیے حفاظت ثابت ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گناہ کا صدور نہیں ہوگا، یعنی گناہ ممکن بالذات اور ممکن الوقوع ہوگا، لیکن

ممکن الوقوع بالفعل نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ حفاظت الٰہی میں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عصمت وحفاظت کے مفہوم شرعی پر غور وفکر کے بعد حسب ضرورت مزید تفصیل رقم کی جاسکتی ہے۔ یہاں محض منطقی الفاظ واصطلاحات کے اعتبار سے کلام ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مناظرہ اور افتا کے احکام:

متکلم کا بیان اول جس میں لفظ خطا کا ذکر ہے۔ وہ ایک رافضیہ عورت کی بدگوئی کے جواب میں تھا، اس لیے اس کا شمار مناظرانہ مباحث میں ہوگا، اور ارباب فقہ وافتا پر واضح ہے کہ مناظرانہ مباحث کے وہ احکام نہیں جو عام مباحث اور عام کلمات کے احکام ہیں۔ بحث ومناظرہ میں بیان کردہ الزامی جوابات کو اعتقاد پر محمول نہیں کیا جاتا۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے رسالہ "القمع المبین فی آمال المکذبین" (فتاویٰ رضویہ جلد 15 ص 470 تا 472۔ص 511۔ جامعہ نظامیہ لاہور) کے اخیر میں مناظرانہ مباحث کے احکام مرقوم ہیں۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ جلد 15 ص 514 تا 519 میں بحث ومناظرہ کے احکام مرقوم ہیں۔ مناظرہ اور افتا کے احکام جداگانہ ہیں۔ مسئلہ حاضرہ میں اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا گیا۔

ہاں، جب مناظر سے ان کا اعتقاد دریافت کیا جائے تو اعتقاد صحیح کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح مناظراتی مباحث میں از روئے شرع قابل گرفت جملوں کا علم وادراک ہونے پر اس سے توبہ ورجوع لازم ہے۔ خواہ خود سے اس جانب متوجہ ہو، یا کسی کے توجہ دلانے پر اپنی خطا کا علم ہو۔ چوں کہ مسئلہ حاضرہ میں متکلم کے جملوں میں تاویل صحیح کی گنجائش موجود ہے، اس لیے نہ فقہا کے اصول کے اعتبار سے کوئی حکم عائد ہوتا ہے، نہ ہی متکلمین کے اصول کے اعتبار سے۔ لفظ خطا کے معانی اور امکان وقوعی کا مفہوم ماقبل میں مرقوم ہوا۔

متکلم کا حکم شرعی:

متکلم لزوم کفر یا بے ادبی کے جرم سے بری ہے۔ بے ادبی کا جرم اس لیے ثابت نہیں کہ متکلم نے بیان اول میں خطا سے اجتہادی خطا مراد لی ہے اور ارباب فضل وکمال کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں۔ لزوم کفر اس لیے ثابت نہیں کہ متکلم کے کلام سے مومنین کا کافر ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ کسی ایسے قول سے مومنین کا کفر لازم آتا ہے جو متکلم نے کہا نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

والیہ المرجع والمآب

مندرجہ ذیل سوالات کو حل فرمائیں، تاکہ مستقبل میں انتشار واختلاف ختم ہوسکے:

(1) غیر معصومین کے لیے بوجہ ضرورت لفظ خطا کے مطلق استعمال کا حکم شرعی کیا ہے؟

(2) غیر معصومین کی طرف بوجہ ضرورت صدور گناہ کی نسبت کا کیا حکم ہے؟

(3) آداب وتوقیر کے باب میں "مومن بہ" اور غیر مومن بہ کا حکم یکساں ہے یا مختلف؟

"مومن بہ" وہ ہے جس پر ایمان لا کر آدمی مومن ہوتا ہے۔ ان میں ذات وصفات الٰہی، کتب خداوندی، حضرات انبیا وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام، فرائض اربعہ، قیامت وامور آخرت وجملہ ضروریات دین شامل ہیں۔

(4) کیا حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ تعا

ت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ{ (سورہ بقرہ)

(5) "مومن بہ" کی بے ادبی کفر ہے، کیوں کہ وہ تصدیق وایمان کے منافی ہے۔

غیر مومن بہ یعنی مومنین کی توہین وبے ادبی حرام وناجائز ہے یا کفر ہے؟

واضح رہے کہ مومنین کی بے ادبی ایمان یا خدا اور رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نسبت سے کی جائے تو اس کا حکم بدل جائے گا، مثلاً زید کو کسی ذاتی دشمنی کے سبب قتل کرنا حرام ہوگا، لیکن زید کو اس لیے قتل کیا کہ وہ مسلمان ہے تو محض ایمان واسلام کے سبب زید کو قتل کرنا کفر ہوگا۔ کسی دوسرے سبب سے قتل مومن کفر نہیں۔

مومن کے حکم میں دو حیثیت کا لحاظ ہوسکتا ہے، یعنی ایک اس کی ذاتی حیثیت کے لحاظ سے حکم شرعی، اور ایک نسبتی حیثیت یعنی ایمان واسلام کی نسبت سے خاص شرعی حکم۔ نسبت کے سبب وارد ہونے والا حکم سخت ہوگا۔ کسی صحابی کی ذاتی حیثیت کے اعتبار سے حکم شرعی اور پھر صحبت نبوی کے سبب خاص حکم شرعی، مثلاً کسی صحابی کی توہین کرنے کا حکم الگ ہوگا، اور صحابی رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی توہین کا حکم الگ ہوگا۔

"مومن بہ" کے حکم میں دو حیثیت ملحوظ نہیں ہوگی، مثلاً ایک حکم نبی ہونے کے اعتبار سے ہو، اور ایک حکم محض انسان ہونے کے اعتبار سے ہو۔ وہاں ان کی حیثیت خاصہ ہی کا لحاظ ہوگا، اور حکم میں

سختی ہوگی۔ ان کی بے ادبی، ایذا، بدگوئی، ان پر ظلم، ان کا قتل وغیرہ تمام امور میں ان کو نبی کی حیثیت سے ملحوظ کر کے مجرم پر حکم عائد ہوگا۔

(6) حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ توہین و بے ادبی سے بڑا جرم قتل ہے۔ سوال یہ ہے کہ قاتلین خلیفہ سوم، مومن ہیں یا کافر؟ اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں یا داخل ہیں اور محض گنہ گار و مرتکب حرام؟

(7) بعض قول کے مطابق خواص بشر خواص ملائکہ وعوام ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں، یعنی حضرات انبیاو مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام، مرسلین ملائکہ علیہم السلام و دیگر ملائکہ سے افضل ہیں، اور غیر نبی بشر، غیر مرسل ملائکہ سے افضل ہیں، اس اعتبار سے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم عام ملائکہ (غیر مرسل ملائکہ) سے افضل ہوئے۔ اس افضلیت کے باوجود کسی صحابی یا صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین کفر نہیں اور فرشتہ کی توہین کفر ہوگی، کیوں کہ وہ ''مومن بہ'' ہیں۔ مومن بہ اور مومن کے احکام میں فرق ہے۔

مذکورہ بالا سوالات اس لیے مرقوم ہوئے کہ فکر روافض اہل سنت و جماعت میں داخل ہوتی جارہی ہے، اور فکر رافضیت کی بنیاد محبت میں غلو اور اتباع نفس پر ہے۔ اسی غلو و نفس پرستی کے سبب وہ کفر و گمرہی میں مبتلا ہوئے۔ یہ لوگ حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے بعض نفوس قدسیہ کو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت دینے لگے۔ نفس پرستی ایسی عام کہ شرعی احکام کا بھی کچھ پاس و لحاظ ہی نہیں۔

مذکورہ بالا سوالوں کے جواب میں ارباب فضل و کمال کے جو مراتب مذہب اسلام میں مقرر ہیں، ان سے آشنائی ہوگی، اور اتباع نفس سے نجات کی راہیں معلوم ہوں گی۔ ہم محکوم ہیں۔ اپنی مرضی اور اپنی پسند کے اعتبار سے کوئی حکم کسی کے لیے متعین نہیں کر سکتے۔ جو حکم اسلام نے دیا ہے، اسی پر کاربند رہنا ہمارے لیے لازم ہے۔

وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم ::والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم ::وآلہ العظیم

□□□

افکار اسلامی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام امن وانسانیت

صاحبزادہ مولانا محب اللہ نوری
شیخ الحدیث و پرنسپل دار العلوم حنفیہ فریدیہ

عالم انسانیت کے فلک پر کفر وظلمت کے دبیز بادل چھا چکے تھے--- جہالت و گمراہی کا دور دورہ تھا--- شرافت و دیانت عنقا تھی--- بدی کا عروج اور اچھائی کا وجود ناپید تھا--- دنیا بھر میں امن وسکون غارت ہو چکا تھا--- بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا--- ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے برسر پیکار تھا--- ہر علاقہ دوسرے علاقے سے جنگ آزما تھا--- بات بات پر تلواریں نیاموں سے باہر نکل آتیں--- ایک بار جنگ کی آگ سلگ اٹھتی تو صدیوں تک اس کے شعلے بھڑکتے رہتے--- غیرتِ انسانی مردہ ہو چکی تھی--- کسی کی جان، مال اور عزت وآبرو محفوظ نہ تھی اور پوری دنیا ’’ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ‘‘[۱] کا ایک عبرت ناک مرقع بن چکی تھی---

غرض یہ کہ انسانیت دربدر ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھیں کہ اسے سہارا مل جائے--- آدمیت اندھیروں میں بھٹک رہی تھی کہ اسے ہدایت کی روشنی نصیب ہو--- تا آں کہ رحمتِ الٰہی جوش میں آئی--- دنیا والوں کی قسمت جاگ اٹھی اور پیغمبر اسلام ﷺ صلح وآشتی اور امن وسلامتی کا پیغام لے کر مبعوث ہوئے--- جن کے وجود باجود کی برکت سے ظلمت وجہالت کے اندھیرے گھٹنے لگے--- اخلاقی پستیوں کے بادل چھٹنے لگے--- جبر واستبداد کے طوق وسلاسل کٹنے لگے--- اور--- دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن گئی---

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو اس کی فلاح وبہبود کے لیے قیامت تک کے لیے جو مکمل ضابطہ حیات دیا، اس کا نام اسلام ہے--- اسلام کے معنی ہی امن وسلامتی اور صلح وآشتی کے ہیں--- یہ دین فطرت ہے--- یہ دین فرد ہے--- یہ دین جماعت ہے--- یہ افراد سے لے کر اقوام تک کو فطرت کی راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہے--- یہ نقیب ہے محبت اور اخوت کا--- اس کا مقصد ہی دنیا سے فتنہ وفساد اور جنگ وجدال کو مٹا کر امن وامان کی فضا پیدا کرنا ہے---

اس مقصد کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے جو نظام مرتب کیا، اس میں یک جہتی، ہم آہنگی اور امن وسلامتی کا پیغام اس انداز سے دیا گیا ہے کہ افراد میں انفرادی ذمہ داری کے شدید احساس کے ساتھ ساتھ باہمی اتحاد واتفاق کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے--- پھر ان افراد کو ہمہ وقت امن وسلامتی کے علم بردار ہونے کا احساس دلانے کے لیے انہیں بار بار ’’يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا‘‘ (یعنی اے امن والو!) کے باوقار خطاب سے نواز کر ’’خليفةُ اللهِ على الارض‘‘ ہونے کا اعزاز برقرار رکھنے پر آمادہ رکھا جاتا ہے---

امن بین المسلمین:

رحمۃ للعالمین آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو امن وسلامتی کے فروغ کے لیے باہمی ملاقات کے وقت خندہ پیشانی سے ملنے کا حکم دیا--- ارشاد فرمایا:

كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ---[۲]

’’ہر بھلائی صدقہ ہے اور اپنے بھائی سے خندہ روئی سے ملاقات کرنا بھی بھلائی ہے‘‘---

بوقت ملاقات سب سے پہلے جو کلمہ منہ سے نکلے، وہ محبت اور امن وسلامتی کا پیغام ہو، جسے شریعت نے السلام علیکم ’’تم پر سلامتی ہو‘‘ کے لفظوں سے ترتیب دیا ہے--- ہزار اختلاف اور بے گانگی کے باوجود جب دو زبانوں سے یہ الفاظ نکلتے ہیں تو دونوں اپنے سینوں میں آشنائی

کی ایک لہر پاتے ہیں---ایک دوسرے کو اپنی طرف سے لڑائی نہ کرنے کا یقین دلاتے ہیں اور امن وسلامتی کی دعا کرتے ہیں---

چناں چہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ اس کی ترغیب دلائی:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا أَلَا أَدُلُّکُمْ عَلٰی أَمْرٍ إِذَا أَنْتُمْ فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ ---[۳]

''مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس وقت تک تم جنت میں داخل نہ ہوسکو گے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو--- میں تمھیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو باہم محبت کرنے لگو گے اور وہ یہ ہے کہ باہم سلام کو پھیلاؤ''---

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ علیہ السلام جملہ انسانوں کے لیے بالعموم اور اہل اسلام کے لیے بالخصوص باہمی اخوت ومودّت کے حوالے سے کئی طریقوں سے (مختلف پیرائے میں) مسلسل یہ احساس دلاتے رہتے کہ اے مسلمان، اے بندۂ مؤمن! تو امن وسلامتی کا پیکر ہے---اخوت والفت تیری فطرت میں داخل ہے اور صلح پسندی ہی میں تیرے ایمان واسلام کی حقیقت پنہاں ہے---اگر یہ نہ ہو تو تیرے ایمان واسلام اور دعویٰ مسلمانی کی نفی لازم آئے گی---چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ---[۴]

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں''---

مصطفیٰ جانِ رحمت علیہ السلام نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں خطبہ دیا، جس میں ایمان داروں کو تقویٰ کی وصیت کی اور ان کے لیے امن سے رہنے کی دعا خیر فرمائی، پھر فرمایا:

''دیکھو! اللہ تعالیٰ کی بستیوں میں اس کے بندوں کے درمیان تکبر وسرکشی کی روش اختیار نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمھیں فرمایا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ---[۵]

''یہ آخرت کا گھر ہے، اسے ہم ان لوگوں کے لیے خاص کریں گے جو زمین میں سرکشی اور فساد مچانے کی نیت نہ رکھتے ہوں (یعنی امن وسلامتی کے علم بردار ہوں) اور عاقبت کی کامیابی تو ہے ہی متقین کے لیے''---

امن بین الناس:

محسن انسانیت علیہ السلام نے معاشرے کی فضا کو پرامن اور پرکیف بنانے کے لیے ہر بیگانے اور یگانے کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیا---اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ واضح ہدایت موجود ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا---[۶]

''لوگوں سے اچھی بات کہو''---

لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا انسانیت کا فرض ہے، جس میں کسی دین ومذہب کی کوئی تخصیص نہیں---فرمایا:

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ---[۷]

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''---

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ---[۸]

''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''---

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

یہ حدیث قیام امن کے سلسلے میں رحمۃ للعالمین A کی تعلیم کو کتنی عمومیت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے، اس پر مزید وضاحت کی گنجائش نہیں---

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ---[۹]

''تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوگا جب تک وہ اور لوگوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''---

اسی مفہوم کو آپ ﷺ نے ایک بار یوں بیان فرمایا:

أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِماً---[۱۰]

''الناس'' کی عمومیت میں تمام انسان داخل ہیں، گویا جب تک سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ پیدا نہ ہو انسان پورا مسلمان نہیں بنتا---

عورتوں کے حقوق کا تحفظ:

انسانی معاشرے کی خشتِ اوّل گھر کی چار دیواری ہے، اگر گھر کا ماحول صحت مند ہو تو سارا معاشرہ صحت مند اور خوش حال ہوگا اور اگر یہ گندہ اور پراگندہ ہے تو سارا معاشرہ بیمار و نزار ہوگا---پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی پاکیزہ تعلیمات کے ذریعے ایسے اصول وضع فرمائے جن پر عمل پیرا ہو کر گھر جنت ارضی بنایا جاسکتا ہے کہ اس کے در و دیوار محبت و وفا کی خوش بو سے مہکتے رہیں اور اطمینان و سکون ابر کرم بن کر اس کے آنگن پر برستا رہے---

اس مقصد کے حصول کے لیے محسنِ انسانیت ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا---حجۃ الوداع کے اہم خطبہ میں آپ نے عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا حکم دیا:

أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا---[۱۱]

''اے لوگو! تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے''---

تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر غیر کو (جن کا آنا تمہیں ناگوار ہو) نہ آنے دیں، عورتوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھی طرح کھلاؤ اور پہناؤ---

وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا---[۱۲]

''عورتوں سے بہتری اور بھلائی کا سلوک کرنا''

فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ---[۱۳]

''عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا''---

اس سلسلے میں رحمۃ للعالمین ﷺ کا ایک اور جامع ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي---[۱۴]

''یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے (حسن عمل کی بنا پر سراپا) خیر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے لیے بہترین ہوں''---

محسنِ اعظم نے گھر کی فضا ہی کو سازگار بنانے کا حکم نہ دیا بلکہ معاشرے کے تمام افراد سے حسن سلوک کا درس دے کر امن عامہ کا وسیع تر تصور عطا فرمایا---چنانچہ آپ ﷺ نے والدین، اولاد، میاں بیوی، رشتہ داروں، دوستوں، اجنبیوں، پڑوسیوں، مہمانوں، مسافروں، بے کسوں، بیماروں، امیروں، غریبوں، حاکموں، محکوموں، مالکوں، مزدوروں، استاذوں، شاگردوں، بیواؤں، یتیموں، غلاموں، خادماؤں اور ذمیوں بلکہ ایک ایک نوع اور ایک ایک طبقہ کے لیے فرائض و حقوق کی روشن سرحدیں متعین فرمادیں---

قانون کی بالادستی:

معاشرے میں امن و سلامتی کا ایک بڑا ذریعہ عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی ہے---آپ ﷺ نے قوانین کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے بڑی سے بڑی سفارش کو بھی ٹھکرا دیا---مثلاً قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا، چوری کے جرم میں ماخوذ ہوئی تو قریش نے حضرت اسامہ بن زید ؓ کے ذریعے حضور ﷺ کے پاس سفارش کرائی، باوجود اس بات کے کہ حضرت اسامہ کو آپ ﷺ بہت عزیز رکھتے تھے---جب انہوں نے سفارش کی تو آپ ﷺ نے ان سے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا، یہاں تک کہ لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَ إِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا---[۱۵]

''اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ

ان میں سے جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے لیکن چھوٹا آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دے دیتے---سن لو! خدا کی قسم اگر (بفرضِ محال) محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی، تو اس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹے دیے جاتے"---

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

أَقِيمُوا حُدُودَ اللهِ فِي الْقَرِيبِ وَ الْبَعِيدِ وَ لَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ---[۱۶]

"اللہ کے مقرر کردہ قوانین دور و نزدیک، رشتہ دار اور غیر رشتہ دار، قوی و ضعیف سب پر یک ساں جاری کرو اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروانہ کرو"---

ان الفاظ میں ہادیٔ برحق ﷺ نے یہ بتادیا کہ قانون کے معاملے میں رشتہ دار، حتیٰ کہ اولاد جیسی عزیز شے بھی کسی امتیازی رعایت کی مستحق نہیں---گویا اسلام میں قانون کی بالادستی کے ذریعے امن کی خوش بو کو عام کیا جانا ازبس ضروری ہے، چاہے اس کے عوض بڑی سے بڑی محبت اور بڑے سے بڑے تعلق کو بھی قربان کیوں نہ کرنا پڑے---

بدامنی کی مذمت:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جہاں امن اور سلامتی کی تعلیم دی، وہیں فساد اور بدامنی کی مذمت فرمائی، ارشاد ربانی ہے:

وَاللهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ○---[۱۷]

"اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا"---

سورۃ القصص میں فرمایا:

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ---[۱۸]

"زمین میں فساد نہ پھیلاؤ"---

سورۃ المائدہ میں فرمایا:

وَاللهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ○---[۱۹]

"اللہ فساد پھیلانے والوں کو ناپسند کرتا ہے"---

ظلم و فساد کا ایک بڑا سبب نسل پرستی، فرقہ و گروہ پرستی اور وطن پرستی ہے---کوئی قوم یا فرقہ جب جغرافیائی، نسلی، علاقائی، لسانی یا فرقہ وارانہ بنیادوں پر خود کو معزز و برتر اور دوسروں کو ذلیل و فروتر سمجھنے لگے تو نفرتیں جنم لیتی ہیں، عداوتیں بھڑک اٹھتی ہیں اور احساس محرومی کا شکار ہونے والے سرکشی و بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرہ کا امن و سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے---

آقائے دوعالم ﷺ نے انسانیت کو ان تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے رنگ، وطن، نسل، قوم اور زبان کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا اور فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَ إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ وَ دِينَكُمْ وَاحِدٌ وَ نَبِيَّكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ---[۲۰]

"اے لوگو! تمہارا رب ایک، تمہارا باپ ایک، تمہارا دین ایک اور تمہارا نبی ایک، لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر فضیلت ہے، فضیلت کا معیار تو صرف پرہیزگاری ہے"---

قرآن کریم کے الفاظ میں آپ ﷺ نے اعلان کیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثَىٰ وَ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ---[۲۱]

"اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قبیلہ اور خاندان صرف اس لیے بنادیا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے"---

پھر آپ نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا اور یہ پیغام ملا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ---[۲۲]

"تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں"---

یہ تھا حقوق انسانی کا وہ منشور، جس نے کالے، گورے، عربی، ترکی، تاتاری، زنگی اور فرنگی کا فرق اٹھادیا اور اونچ نیچ کی تمام لعنتوں کو ملیامیٹ کر کے انسانوں کے خودساختہ گھمنڈ کو پاؤں تلے روند ڈالا اور جو پامالِ جفا تھے، انہیں مسندِ شرف پہ بٹھایا---

انسانی خون کا احترام:

محسن انسانیت ﷺ نے قتل و غارت اور فساد و خون ریزی کی روک تھام کے لیے خون انسانیت کے احترام پر غیر معمولی زور دیا ہے--- حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے بلیغ خطبہ میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا---

''لوگو! تمہارے خون، مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئی ہیں، ہمیشہ کے لیے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہے، جیسی آج تمہارے اس دن کی، اس ماہ مبارک (ذوالحجہ) کی اور تمہارے اس شہر (مکہ) کی''---

أَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ---[۲۳]

''خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو''---

ایک بار آپ ﷺ نے خون مسلم کی اہمیت و عظمت کو اس طرح بیان فرمایا:

لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ مُسْلِمٍ---[۲۴]

''کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں پوری دنیا کا زوال خدا کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا''---

امت مسلمہ کی کتنی بڑی بدنصیبی اور کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ اپنے آقا و مولا ﷺ کی ان پاکیزہ تعلیمات کو جو کہ اس کی فلاح و کامرانی کی یقینی ضمانت اور مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہیں، انہیں فراموش کر کے اتحاد کی بجائے فساد و زوال کا نشان عبرت بن چکی ہے---

پیغمبر اسلام ﷺ کے نزدیک صرف مسلمان ہی کا خون محترم نہیں بلکہ خدا کے ہر بندے کا خون محترم ہے--- چناں چہ اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے غیر مسلم کا خون ناحق قصداً ہو جائے تو اس پر جنت حرام ہونے کی وعید سنائی---

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ أَرْبَعِيْنَ عَامًا---[۲۵]

''جس نے کسی زیر معاہدہ غیر مسلم کو قتل کیا، وہ جنت کی خوش بو بھی نہ سونگھنے پائے گا، حالانکہ بہشت کی خوش بو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے''---

انسانی خون کی حرمت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا---[۲۶]

''جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے (جملہ انسانیت) سب لوگوں کو قتل کیا''---

اسلامی جنگوں کا فلسفہ:

یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جب کوئی فریق امن و سکون کو غارت کرے، خون ریزی اور فساد برپا کرے اور بار بار کی تبلیغ و تنبیہ کے باوجود باز نہ آئے تو پھر دفع فساد کے لیے اس سے لڑنا اور جنگ کرنا بھی قیام امن ہی کی ایک صورت ہے--- کیوں کہ دنیا میں فتنہ پرور اپنی خصلت سے مجبور ہیں، ان کا علاج جنگ و جہاد کے سوا کچھ نہیں--- اسی لیے اسلام کو جو امن، انصاف اور اخوت کا دین ہے، قیام امن کے لیے کئی جنگیں لڑنا پڑیں---

عہد نبوی C کے غزوات و سرایا کی تعداد بیاسی ہے، جن میں سے انیس میں آقا حضور ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی--- ان جنگوں میں مسلمانوں اور فریق مخالف کے مقتولین کی مجموعی تعداد ایک ہزار اٹھارہ ہے، گویا ایک جنگ میں اوسطاً تقریباً بارہ افراد کام آئے[۲۷] اس مجموعی تعداد پر بنظر انصاف غور کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ مدافعتی جنگیں قتل و غارت گری کے انسداد اور وسیع تر امن کی بحالی کی کوششیں تھیں--- اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب ایک نظر آج کی مہذب بیسویں صدی کی جنگوں پر ڈال کر دیکھیں تو تباہی اور قتل و غارت کا ہول ناک نقشہ سامنے آتا ہے--- صرف ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں تہتر لاکھ اڑتیس ہزار افراد لقمہ اجل

بنے---[۲۸] اسی طرح ہیروشیما میں ایٹم بم کی تباہ کاریاں اور (روسی حملے کے نتیجے میں) افغانستان کی حالیہ جنگ کی ہولناکیاں سب کے سامنے ہیں---کشمیر، بوسنیا اور فلسطین میں وحشت و بربریت کے نئے ریکارڈ بن رہے ہیں---عقوبت خانوں اور جیلوں میں نوجوانوں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جارہا ہے---خواتین کی عصمت پامال ہورہی ہے---صومالیہ، لیبیا اور عراق کی اقتصادی و معاشی ناکہ بندی سے انسانیت سسک رہی ہے---[۲۹]

دورِ حاضر کی جنگوں میں انسانی آبادیوں پر پے در پے حملے کیے جاتے ہیں، جس سے عام شہریوں کے علاوہ ان گنت عورتیں، بچے، بوڑھے اور بیمار نشانۂ ستم بنتے ہیں---اس کے برعکس اسلام نے اوّلاً تو ان تمام محرکاتِ جنگ کا قلع قمع کردیا جو جاہلیت کا عطیہ تھے اور آج بھی کسی نہ کسی صورت میں وجہ فساد ہیں، مثلاً شوقِ غنیمت، جذبۂ تفاخر، حصول انتقام وغیرہ---مزید برآں حضور ﷺ نے امت مسلمہ کو یہ ہدایات دے رکھی ہیں کہ بعض ناگزیر حالات میں اگر جنگ کرنا پڑے تو بلاوجہ حملہ میں پہل نہ کرو---ضعیفوں، عورتوں، بچوں اور غلاموں کو قطعی طور پر قتل نہ کیا جائے---دشمن کے علاقہ میں حب کران کی کھیتیوں اور املاک کو نقصان نہ پہنچایا جائے---گھروں میں بیٹھے رہنے والوں کو مکمل امان دی جائے اور اسیروں کے ساتھ ناروا سلوک نہ کیا جائے---

اسلامی جنگوں کا فلسفہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا:

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝---[۳۰]

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں میں بعض کو بعض کے ذریعے نہ ہٹا دیتا تو ضرور گرادی جاتیں راہبوں کی خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں، جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبے والا ہے''---

اس آیت سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی کو قائم کردیں اور بدامنی کو دور کردیں---پھر پارسیوں، عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص نہ گراسکے---

حق و باطل اور خیر و شر کے اس میدان کارزار میں امن کی خواہش کرنے سے امن حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال پیش کرنے سے فتنہ رک سکتا ہے---انسان کی سرشت ہی میں شر کا پہلو موجود ہے، اسی لیے فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تھی کہ یہ زمین کے انتظام کو بگاڑے گا اور آپس میں خون ریزی کرے گا---تعلیماتِ نبوی کا سب سے بڑا منشا یہ ہے کہ نفس انسان کی اس حد تک اصلاح ہوجائے کہ دنیا میں امن و امان قائم ہو، شر کو ابھرنے کا موقع نہ ملے اور خیر ہی خیر نظر آئے---اس کے لیے آپ ﷺ کا طریقہ کار یہ رہا کہ تبلیغ ان کے لیے جن کے قلب میں خیر کی ذرہ بھر بھی چنگاری ہے اور جہاد ان کے خلاف جن کے قلب میں شر ہی شر ہے اور وہ شمشیر کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں سمجھتے---

چنانچہ حضور ﷺ کی جنگوں میں شرکت کی مثال اس جراح کی سی ہے جو ہاتھ میں نشتر لے کر آپریشن کی میز پر مریض کی صحت بحال کرنے کی غرض سے جاتا ہے---

امن عامہ کی ضامن اخلاقی تعلیمات:

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے پیغامات میں امن و سلامتی کا باعث بننے والے کاموں کا حکم دیا اور ان تمام امور سے منع فرمایا جو معاشرے میں بدامنی، افراتفری اور فساد کا موجب ہوں---چنانچہ کتب احادیث میں سچائی، دیانت و امانت، عفت و پاک بازی، شرم و حیا، رحم و کرم، عدل و انصاف، عفو و درگزر، حلم و بردباری، تواضع و خاکساری، خوش کلامی، رفق و لطف، ایثار، احسان، اعتدال اور میانہ روی کے فضائل بیان ہوئے---بلاشبہ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے---

اسی طرح آپ ﷺ نے جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، بددیانتی، غداری، دغابازی، چغل خوری، بہتان، غیبت، بدگوئی، دورخاپن، بدگمانی، بے ایمانی، حرص و طمع، چوری، ناپ تول میں کمی بیشی، رشوت، سودخوری، شراب نوشی، ظلم و ستم، فخر و غرور، غیظ و غضب، بغض و کینہ، حسد اور فحش گوئی وغیرہ امور جو فتنے فساد اور لڑائی کا سبب بنتے ہیں، تمام کی سخت مذمت بیان فرمائی اور ان سے بچنے کی تاکید کی---

بالعموم لڑائی کا آغاز گالی سے ہوتا ہے---آپ ﷺ نے فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ

کُفر ٗ---[۳۱]

''مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے''

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں انسانی برادری کا وہ نقشہ کھینچا ہے جس پر سچائی سے عمل کیا جائے تو شر اور فساد سے بھری ہوئی دنیا دفعتاً جنت نظیر بن جائے---فرمایا:

لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَ كُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا---[۳۲]

''آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''---

قیام امن کے لیے پیغمبر امن کی عملی جدوجہد:

پیغمبر اسلام ﷺ نے نہ صرف یہ کہ زبانی طور پر امن کا پیغام دیا بلکہ عملی طور پر پیغمبر امن ہونے کا ثبوت دیا---جب آپ عنفوان شباب سے گزر رہے تھے تو آپ نے قیام امن کے سلسلے میں حلف الفضول نامی ایک معاہدہ میں شرکت فرمائی، جو آپ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب کی کوششوں سے ہوا تھا---اس معاہدے کے بنیادی مقاصد میں بدامنی کا خاتمہ، مسافروں کی حفاظت اور ظلم وستم کی روک تھام وغیرہ امور شامل تھے---[۳۳]

افسوس کہ جاہلیت کی جنگ جو طبیعتوں نے اس معاہدہ کو پروان نہ چڑھنے دیا---حضور ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے، اگر آج بھی کوئی اس مجلس کے نام سے کسی کو مدد کے لیے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کے لیے تیار ہوں گا---

مصلح اعظم ﷺ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی جب قریش نے کعبہ کی عمارت از سرِ نو تعمیر کی---حجر اسود کی تنصیب کے سلسلے میں سرداران قریش میں سخت اختلاف رونما ہوا---ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ کام اسی کے ہاتھوں انجام پائے---چار دن تک برابر یہ جھگڑا جاری رہا---آخر یہ رائے قرار پائی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے گا، اس کا فیصلہ سب کے لیے قابل قبول ہوگا---چنانچہ سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے آپ ﷺ ہی تھے---آپ ﷺ نے اپنے حسن تدبر سے اس پیچیدہ مسئلے کو ایسا سلجھایا کہ سب خوش ہو گئے اور لوگ خون خرابہ سے بچ گئے---[۳۴]

جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پاک میں تشریف لائے تو پہلے سال ہی ایک بین الاقوامی معاہدۂ امن کی داغ بیل ڈالی، جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے---یہ اسلامی ریاست کا پہلا آئین تھا، جس میں ہر طبقے کے سیاسی اور معاشرتی حقوق متعین کر دیے گئے تھے---تاریخ شاہد ہے کہ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا، جسے پڑھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے---

اسی سال آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کرایا، یہ آپ ﷺ ہی کا فیضان کرم تھا کہ قبیلہ بنو نضیر اور بنو خزرج کے افراد اور دیگر قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، آپس میں بھائی بھائی بن گئے---رب العزت نے اس نعمت عظمیٰ کی یاد یوں دلائی:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا---[۳۵]

''اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر ہوئی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم بفضل ربانی بھائی بھائی بن گئے''---

اسی نکتہ کی طرف حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے اشارہ کیا ہے:

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

اسی طرح صلح حدیبیہ، رحمت عالم ﷺ کی امن پسندی کا واضح ثبوت ہے---اس میں بعض شرائط ایسی تھیں کہ مسلمانوں کا پہلو کمزور نظر آتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے امن وامان کے قیام کے لیے تمام شرائط قبول کر لیں---

جانی دشمنوں سے حسن سلوک:

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی طرف سے عام معافی کا اعلان، آپ ﷺ کی امن پسندی کا بہت بڑا ثبوت ہے---مکہ جو حضور ﷺ کے جانی دشمنوں اور مخالفین اسلام کا گڑھ تھا، یہاں وہ لوگ آباد تھے، جنھوں نے آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے---

آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے جاں نثار ساتھیوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں--- تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا--- آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے--- جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں بھی بار بار حملہ آور ہوئے--- فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ h کا قاتل وحشی، ان کا کلیجہ چبانے والی ہندہ اور ان ہی جیسے سیکڑوں دشمنان اسلام شہر میں موجود تھے--- حضور ﷺ ان سے ایک ایک بدی کا بدلہ چکانے پر قادر تھے--- قدرتِ انتقام کے باوجود پیغمبر امن ﷺ نے مجمع عام میں فرمایا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ---

''آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں''---

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ---[۳۶]

''جاؤ تم سب آزاد ہو''---

تاریخ عالم عفو و درگزر اور رحم و کرم کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے---

پیغمبرِ امن:

پیغمبر اسلام ﷺ سے زیادہ امن کا پیغام دینے والا اور کون ہو سکتا ہے، جن کا لقب ہی رحمۃ للعالمین ہے--- وہ عبداللہ کے بیٹے ہیں، عبودیت آپ ﷺ کے خون میں شامل ہے--- والدہ ماجدہ ''آمنہ'' ہیں، گویا امن کے شکم میں حضور ﷺ نے پرورش پائی--- دایہ کا نام ''حلیمہ'' ہے، حلم و بردباری کا دودھ حضور ﷺ نے پیا--- مکہ میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اسے بلد امین کہہ کر پکارا--- کعبہ آپ ﷺ کا قبلہ تھا، اسے امن کا گھر بنا دیا:

مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا---[۳۷]

عرب والوں نے آپ ﷺ کو امین کا لقب دیا کہ آپ ﷺ امانت دار بھی تھے اور امن کے علم بردار بھی---

حرفِ آخر:

سطور بالا میں اسلام کے پیغام امن پر نہایت اجمال اور اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں کہ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس کے سائے تلے امن عالم کا خواب حقیقت کے روپ میں نمودار ہو سکتا ہے اور امام الانبیاء، ختم الرسل ﷺ ہی کی وہ ذات گرامی ہے جن کی تعلیمات، رنگ و نسل کے اختلاف اور لسانی، جغرافیائی، امتیازات کے بغیر اہل عالم کو امن کی چادر مہیا کر سکتی ہیں--- بلاشبہ اقوام متحدہ کے منشور میں انسانی جان و مال کے تحفظ اور فساد فی الارض کو روکنے کے لیے جو بھی مثبت نکات درج ہیں، وہ سب تعلیمات مصطفوی c سے مستعار لیے گئے ہیں--- یہ الگ بات ہے کہ اب یہ ادارہ اپنے بنیادی مقاصد سے ہٹ کر صہیونی اور طاغوتی طاقتوں کے مفادات کا چوکیدار بن کر رہ گیا ہے اور امن قائم کرنے کے بجائے فساد فی الارض کا سبب بن رہا ہے--- امن عالم کی ٹھیکیدار اقوام اب دوہرے معیارات رکھتی ہیں--- کویت میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر تڑپ کر رہ جانے والی طاقتوں کو کشمیر میں ہونے والا فساد دکھائی دیتا ہے اور نہ بوسنیا میں خون کی ہولی دکھائی دیتی ہے--- جس پاکستان کے ذریعے روسی جارحیت کے خلاف مسلح جدوجہد کی عملی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی، اب وہی پاکستان کشمیریوں کی محض اخلاقی و سیاسی امداد کی وجہ سے دہشت گرد دکھائی دے رہا ہے--- مگر جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں جائزہ لیا، اسلام اس انداز کے دوغلے پن پر یقین نہیں رکھتا--- وہ تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر پیغام امن ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ گزشتہ کچھ عرصہ سے مسلمان بھی نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ جھگڑوں میں ایک دوسرے کی گردنیں ناپنے لگے ہیں--- جس سے عالمی سطح پر مسلمانوں کی رسوائی ہو رہی ہے--- افغانستان کا مناقشہ ابھی حل نہیں ہوا تھا کہ یمن میں دو دھڑوں کی مسلح کارروائی نے جگ ہنسائی کا موقع فراہم کر دیا--- دیگر مسلمان ملکوں کی ان نازیبا حرکتوں کا ہم کیا ذکر کریں، خود ہمارے ملک میں اب وسیع پیمانے پر مسلح گروہ خون مسلم کی ارزانی کا سبب بن رہے ہیں، نتیجہ یہ کہ ہم کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں--- کچھ عرصے سے فرقہ واریت کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اور ہماری عبادت گاہیں جس انداز میں میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہی ہیں، اس سے ہم خود ہی انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے پیغام امن کی نفی کر رہے ہیں--- رحمت کائنات ﷺ کے پیروکار کی بالعموم اور مذہبی تنظیموں اور دینی مبلغین کی بالخصوص یہ منفی روش، اسلام کے فکر و عمل سے کھلے انحراف اور تصادم کے مترادف ہے--- اس وقت اپنے ہی ہاتھوں تباہی و بربادی کے اس عمل سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کو اولین اجتماعی مقصد قرار دے کر اس کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی اور عملی پیش رفت علمائے کرام،

مشائخ عظام اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔۔۔

رب کریم ہم پر کرم فرمائے اور اپنے محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اپنے فرائض پہچاننے اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

حوالہ جات

۱۔۔۔۔۔سورۃ الروم، آیت ۲۱

۲۔۔۔۔۔محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، مجتبائی دہلی، جلد ۲، صفحہ ۱۹

۳۔۔۔۔۔ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۹۳

۴۔۔۔۔۔محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری/ اصح المطابع، دہلی، جلد ۱، صفحہ ۹

۵۔۔۔۔۔محمد بن عبد الباقی زرقانی، زرقانی علی المواہب، ازہریہ مصر، جلد ۸، صفحہ ۳۶۹

۶۔۔۔۔۔سورۃ البقرۃ، آیت ۸۳

۷۔۔۔۔۔صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۸۹

۸۔۔۔۔۔جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۳

۹۔۔۔۔۔ابو عبد اللہ احمد بن محمد حنبل، مسند امام احمد، دار صادر بیروت، جلد ۳، صفحہ ۲۷۲

۱۰۔۔۔۔۔جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۵۳/ علامہ احمد بن محمد قسطلانی، ارشاد الساری، بولاق مصر، جلد ۱، صفحہ ۱۱۲/ (ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، اصح المطابع کراچی، صفحہ ۱۳۲ (تکمن مومنا)

۱۱۔۔۔۔۔جامع ترمذی، باب حق المراۃ علی زوجہا،

۱۲۔۔۔۔۔ابو محمد عبد الملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، الازہر مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۹۰

۱۳۔۔۔۔۔مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، اصح المطابع کراچی، جلد ۱، صفحہ ۳۹۷

۱۴۔۔۔۔۔سنن ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۲

۱۵۔۔۔۔۔صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۶۱۶، ۱۰۰۳/ سنن ابن ماجہ، صفحہ ۱۸۶

۱۶۔۔۔۔۔سنن ابن ماجہ، صفحہ ۱۸۴

۱۷۔۔۔۔۔سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۵

۱۸۔۔۔۔۔سورۃ القصص، آیت ۷۷

۱۹۔۔۔۔۔سورۃ المائدۃ، آیت ۶۴

۲۰۔۔۔۔۔علاؤ الدین علی متقی، کنز العمال، دائرۃ المعارف، جلد ۲، صفحہ ۲۲

۲۱۔۔۔۔۔سورۃ الحجرات، آیت ۱۳

۲۲۔۔۔۔۔سورۃ الحجرات، آیت ۱۰

۲۳۔۔۔۔۔صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۳۵-۲۳۴

۲۴۔۔۔۔۔جامع ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۹۷

۲۵۔۔۔۔۔صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۱۰۲۱

۲۶۔۔۔۔۔سورۃ المائدۃ، آیت ۳۲

۲۷۔۔۔۔۔قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، S. اے پرنٹرز لاہور، جلد ۲، صفحہ ۲۰۳

۲۸۔۔۔۔۔ایضاً، صفحہ ۲۱۳

۲۹۔۔۔۔۔اس مقالہ کی پہلی اشاعت کے بعد ۲۰۰۰ء سے لے کر اب تک افغانستان، عراق اور شام وغیرہ ممالک میں امریکی دہشت گردی سے خواتین اور بچوں سمیت لاکھوں افراد لقمۂ اجل بنے۔۔۔

۳۰۔۔۔۔۔سورۃ الحج، آیت ۴۰

۳۱۔۔۔۔۔صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۹۳

۳۲۔۔۔۔۔صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۹۶

۳۳۔۔۔۔۔محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹

۳۴۔۔۔۔۔سیرت ابن ہشام، جلد ۱، صفحہ ۱۲۵/ سبل الہدیٰ والرشاد، الباب الخامس عشر فی بنیان قریش الکعبۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۷۱

۳۵۔۔۔۔۔سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳

۳۶۔۔۔۔۔زرقانی، جلد ۲، صفحہ ۳۲۸

۳۷۔۔۔۔۔سورۃ آل عمران، آیت ۹۷

دوسروں کو نفع پہنچانا سنت بھی، فطرت بھی!

مولانا محمد نعیم جاوید نوری

اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ:
''دینے والا ہاتھ لینے والے سے افضل ہے''---

فطرت کا بھی یہی اصول ہے۔عزت، احترام، وقار، قرار، دوام اور کمال اسی کے لیے ہے جو دوسروں کو دینے والا ہو۔اپنے علم، عمل، اخلاق اور مال کی سخاوت سے دوسروں کے لیے مفید اور نفع بخش ہو۔

انگریزی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ:

In givining that we receive---

صحیفۂ انقلاب قرآن مجید کی یہ آیت انسان کو براہِ راست دعوتِ فکر دے رہی ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَ أَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ---[سورہ رعد، آیت ۱۷]

''جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لیے تو وہ باقی رہے گی زمین پر''---

چودہ صدیاں قبل قرآن پاک نے یہ راز بتا دیا تھا کہ اس دنیا میں وہی چیز باقی رہے گی یا اسے ہی دوام ملے گا جو دوسروں کے لیے مفید اور نفع بخش ہوگی۔مخلوق میں سے اسے ہی زمین میں وقار اور قرار حاصل ہوگا جس سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آپ کائناتِ ربانی کا بغور مطالعہ کریں، تو یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ زمین و آسمان میں موجود رب کی تخلیق کردہ ہر چیز ایک دوسرے کو ہر لمحہ نفع پہنچانے میں مصروف عمل ہے۔چنانچہ سورج، چاند، دریا و صحرا، شجر و حجر، پہاڑ، ہوا، پانی، بادل سب دوسروں کو نفع بخشی پر مامور ہیں۔

یہ حکمتِ خداوندی اور فطرت کے برعکس ہے کہ کوئی فرد یا جماعت صرف اپنا ہی فائدہ چاہے، اپنی ہی مفاد پرستی اس کی زندگی کا مقصد ہو، کل کائنات صرف اپنی ہی ذات ہو۔تاریخ شاہد ہے، سنت اور فطرت کے خلاف ہے کہ اس روشِ دنیا میں اسے کوئی عزت کی نگاہ سے دیکھے یا عزت ملے تو دوام بھی رہے، ایسا ہونا ناممکن ہے۔

مگر افسوس کہ آج ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے بھائیوں کے دکھ، درد، پریشانیوں اور مصائب سے آگاہ ہونے کے باوجود بھی بے حس ہو کر نظر چرا لیتے ہیں۔ایک طرف شام کے وقت دسترخوان پر اتنے کھانے چنے جاتے ہیں کہ چند لقموں کے لیے بھی انتخاب کی نوبت نہیں آتی، دوسری طرف اپنے بھائی کو نانِ شبینہ بھی میسر نہیں۔

ایسی صورت حال میں کوئی پنج وقتہ نماز و چند تسبیحات، محافل کا انعقاد اور نعت خوانوں پہ ویلیں نچھاور کر کے یا چند روزہ تبلیغی چلے لگا کر اپنے آپ کو حساب و کتاب اور اپنی اصلی ذمہ داریوں سے مبرا سمجھے تو یہ بھولے پن کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔دین جن اجزاء کا مجموعہ ہے، اُن میں عبادات، معاملات، اخلاقیات، آدابِ معاشرت، حسنِ ادب اور معاشرے کے کمزوروں کو براہ راست نفع رسانی سرفہرست ہے، جب کہ ہم نے فقط چند عبادات و مستحب اعمال کو ہی کل دین سمجھ رکھا ہے۔

ایک انسان کا سب سے بڑا اعزاز انسانیت کا درد ہے، باہمی اخوت و رواداری اور غمگساری ہی انسان کے لیے سب سے بڑا ذریعۂ وقار ہے، جب کہ ہمارے ہاں انسانی ہی نہیں خونی رشتوں کا تقدس بھی پامال ہوتا جا رہا ہے۔سیّد ضمیر جعفری اگرچہ طنز و مزاح پہ ہی قلم اٹھاتے تھے، لیکن ان کا ایک شعر موجودہ معاشرے کی اجتماعی بے حسی کی تصویر کو مزید عیاں کرتا ہے۔لکھتے ہیں:

انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
دیکھا نہیں جاتا، مگر دیکھ رہا ہوں

ہمارے لیے دعوت فکر ہے کہ قرآن اور فطرت سے خیر و برکت، سکون و اطمینان، عزت و وقار کا راز جانیں۔ یہ بے موسمی بارشیں، یہ جھوٹے مقدمات، یہ مختلف النوع لاعلاج بیماریاں، سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ نہ کھا سکنا، یہ انجانا خوف، بے سکونی، وقت اور رزق سے برکت اٹھ گئی۔ آخر یہ کیا اشارے ہیں؟؟ اشارہ یہی ہے کہ ہم مخلوق کے لیے نفع بخش نہیں رہے۔ خدارا خدائی اسکیم کو سمجھنے اور فطرت کے اعلان پہ کان دھریں۔

ہم پیارے پیارے پھولوں کا بہترین گلدستہ تیار کرتے ہیں، بڑے چاؤ سے اپنے گلدان میں سجا کر رکھتے ہیں، دن بھر اس سے تازگی اور فرحت محسوس کرتے ہیں، جب وہی گلدستہ کملا یا مرجھا جاتا ہے، ہم اسے اٹھا باہر پھینکتے ہیں۔ اس لیے کہ اب وہ گلدستہ جو بڑے ذوق وشوق سے ہم نے سجا کر اپنے گھر یا محفل میں رکھا تھا، جب مفید نہ رہا، اسے کوڑے دان میں ڈال دیا۔ تفسیر ضیاء القرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری m نے سورۂ رعد کی مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے کہ:

"..........قوموں اور افراد کے لیے بھی عروج و زوال کا یہی معیار ہے۔ جب تک کوئی فرد یا کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے، اس کی عظمت کا پرچم بلند فضاؤں میں لہراتا رہتا ہے.....لیکن جس وقت اس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں، ان کے اخلاق گر جاتے ہیں اور ان کا طریقہ کار راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے، تو عزت وکرامت کا جو تاج صدیوں سے ان کے سر پر جگمگا رہا تھا، وہ چپکے سے سر سے اتار لیا جاتا ہے..........۔ ہر قوم کو زندہ رہنے کے لیے قیمت ادا کرنا پڑتی ہے، ہر قوم کو عزت و ناموری کے حصول کے لیے قربانی دینا پڑتی ہے اور پھر اس حاصل کردہ عزت و ناموری کو برقرار رکھنے کے لیے شدید محنت سے کام کرنا پڑتی ہے"---

[تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۲، صفحہ ۱۱۵۵ تا ۱۱۵۶]

جب جب اور جہاں جہاں مسلمان علم وعرفان کے چراغ روشن کرتے رہے، اپنے علم وتحقیق اور اخلاق واعمال سے نہ صرف اپنوں بلکہ دوسروں کو بھی نفع پہنچاتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بے پناہ عزتوں سے نواز رکھا تھا، تقریباً دسویں صدی ہجری تک مسلمان علم و تحقیق اور اپنے اجتہاد و جہاد سے علم وحکمت کے گلستانوں میں نئے نئے اور تازہ پھول کھلاتے رہے۔ یہی وہ دور تھا جب مسلمانوں نے ایجادات کے انبار لگا کر انسانوں کے لیے زندگی میں بے شمار سہولیات کے سامان پیدا کیے۔

ان کے کاشت کار اور کسان بھی پھلوں، پھولوں اور اناج میں عمدہ سے عمدہ اقسام پیدا کرتے رہے۔ مسلمان طبیب کی تشخیص کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی تھی۔ ہمارا صوفی روحانی امراض کی چارہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ الغرض جب تک اس قوم کا وجود خیر وبرکت کا سرچشمہ بنا رہا، ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا مسلمان اپنے معاشرے کو نفع بخشی ڈلیور کرتا رہا، تو امت مسلمہ کی ترقی وعروج کو روکنے کی ہر کوشش ناکام رہی۔ مگر جب سے سہل پسندی، نشتر تحقیق کند ہو گیا، جذبہ اجتہاد و جہاد ماند پڑ گیا، مصنوعات اور ایجادات کے دروازے بند ہو گئے، دینے کی بجائے مسلمان لینے والے بن گئے، تو اپنی ہزار سالہ عزت وعظمت کی تخت نشینی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

دنیا میں جو قوم، فرد یا انسان نفع بخش بنے بغیر بے حد نفع خور بننا چاہتا ہے، یاد رکھیے! یہ روش خدائی اسکیم، فطرت کے اصولوں اور سنت رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ جو دیے بغیر صرف لینے پہ نظر رکھیں، اللہ ان سے نہ صرف عزت وکرامت کا تاج چھین لیتا ہے، انھیں طرح طرح کی آزمائشوں اور امتحانوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر بے موسمی بارشیں، خوفناک بیماریاں، بے جا مقدمات اور طرح طرح کی زمینی و آسمانی آفتوں اور آزمائشوں سے افرادِ معاشرہ کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس خدائی اسکیم اور فطرتی نظام کے خلاف عملی بغاوت کرنے والوں کے ساتھ قدرت کوئی رو رعایت نہیں کرتی۔ آج دنیا میں ہر جگہ جو مسلمان کا خون پانی طرح بہایا جا رہا ہے، اس کی بے شمار وجوہات میں سے ایک یہ کہ ہم من حیث القوم خیر ڈلیور کرنے والی قوم نہیں رہے۔

آئیے! عہد کیجیے کہ ہمارا ہر عمل اخلاص کے ساتھ اللہ کی مخلوق کے نفع کے لیے ہوگا، زیادہ نہ سہی تاجر اور مال دار باقاعدگی سے زکوۃ

نکالیں، کسان بھائی زمینی عشر پوری ذمہ داری سے ادا کرنے کا اہتمام اور نیت کریں۔ آیئے ہم سراپا محبت و ہمدرد بن جائیں، ہمارے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ لوگوں کے لیے مرہم بنیں۔ اور یاد رکھیے! خدائی اسکیم کی ماہر ترین اور نظم فطرت شناس شخصیت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی قول مبارک ہے:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ — [کنز العمال]

''لوگوں میں سے بہترین وہی لوگ ہیں جو دوسروں کے لیے نفع بخش ہوں'' ---

بقولِ ڈاکٹر اقبال ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

دوسروں کو نفع صرف مال و زر، روپے اور پیسے سے ہی نہیں پہنچایا جاتا، اپنے علم وفن، حتی کہ کسی کو اچھا اور مناسب مشورہ دینا بھی اسلام میں عبادت اور صدقہ کے مترادف ہے۔

مثبت سوچ ایک طرح کی نفع رسانی ہے:

دورِ اوّل کے مسلمانوں نے جو بے پناہ کامیابیاں حاصل کیں، اس کا ایک بڑا راز یہ بھی تھا کہ اس معاشرے کا ہر فرد مثبت سوچ کا حامل تھا۔ کسی کو نفع پہنچانے کے لیے انسان کو وقت، مال اور محنت درکار ہوتی ہے، جب کہ کسی کو نقصان نہ پہنچانا بھی اس کا فائدہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس پہ ہمارا کون سا وقت، پیسہ اور محنت لگتی ہے۔ تو کم از کم ہم یہ ہی طے کرلیں کہ ہم ہر کسی کو کچھ دے نہیں سکتے تو اپنے علم و عمل، ہاتھ اور زبان سے کسی کو نقصان تو نہ پہنچائیں، تو یہ بھی دوسروں کو نفع پہنچانے کے مترادف ہے۔ جب کہ ایک بندہ مومن کو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت دوسروں کے بھلے کا سوچتا رہے، چاہے کوئی اپنا ہو یا بے گانہ۔

معروف تابعی حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ایک دن بازار سے سودا سلف لے کر واپس اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں انھیں ایک ایسا آدمی ملا جوان سے خواہ مخواہ کا بغض اور حسد رکھتا تھا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگا، حتی کہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور مسلسل گالیاں بکتا رہا۔ آخر ایک جگہ پہ جا کر احنف بن قیس رک گئے اور اس آدمی کی طرف متوجہ ہو کر کہا، میں یہاں کھڑا ہوں، میرے خلاف تم نے جو بولنا ہے بول لو، مجھے جو کہنا ہے کہہ لو، کیونکہ آگے میرا محلہ آنے والا ہے، وہاں ہر کوئی مجھے جانتا ہے اور لوگ میری بہت عزت کرتے ہیں اور مجھ سے والہانہ محبت بھی کرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تم ان کے سامنے مجھے برا بھلا کہو گے تو وہ برداشت نہیں کریں گے اور ممکن ہے تم کو نقصان پہنچائیں اور اس طرح جسمانی نقصان کے ساتھ ساتھ کہیں تمہاری عزت بھی نہ برباد ہو جائے۔

دیکھیے! احنف بن قیس کو پریشانی یہ نہیں ہوئی کہ ایک شخص ان کو بلاوجہ برا بھلا کہہ رہا ہے، اس کی بجائے وہ یہ سوچ کر پریشان ہوئے کہ کہیں میرے محلے کے وہ لوگ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، اس کو نقصان نہ پہنچائیں۔

اگر ہم کم از کم یہی سوچ بنالیں کہ ہم نے کسی کو نقصان اور ضرر نہیں پہنچانا، تو یہ بھی نفع رسانی کی ایک بہترین صورت ہے۔

صرف اپنا ہی سوچنا، اپنے لیے جینا، یہ کوئی انسانی سوچ نہیں ہے۔

عربی کے شاعر متنبی کا مشہور قول ہے کہ:

''شریف آدمی کے لیے سب سے بری چیز یہ ہے کہ وہ اپنا خیر تم سے روک دے اور کمینے آدمی کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ وہ اپنے شر سے تم کو بچائے'' ---

یعنی اصل میں شریف اور معزز آدمی وہ ہے جو دوسروں کے لیے سب سے نفع بخش ہو۔ بولے، تو انصاف اور خیر خواہی کی بات کرے، اس کے مال اور اثاثہ جات میں دوسروں کا حصہ ہو۔ کسی آدمی کی شرافت کے منافی ہے کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچنا بند ہو جائے۔ دنیا میں دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا شخص گویا خدا کے باغ میں پھول ہے۔ دنیا میں اس کا وجود ایک نعمت ہے۔

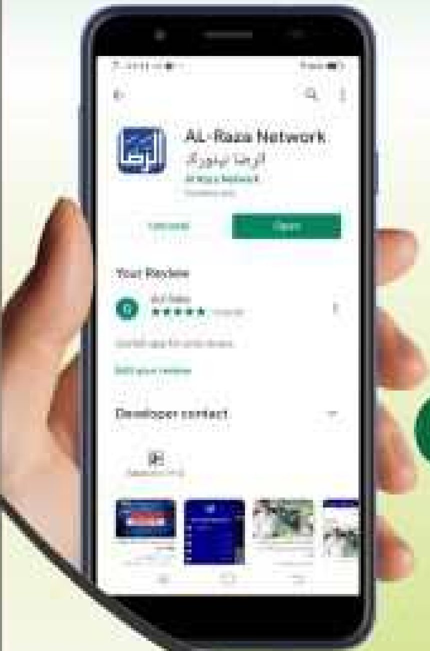
شریف اور معزز آدمی سے لوگوں کو خیر کی مہک ملتی ہے، جب کہ کمینے اور گھٹیا انسان سے دوسروں کو صرف تلخیاں اور اذیتیں ہی ملتی ہیں۔

ہمیں اپنے والدین، بہن بھائیوں، اعزہ و اقارب حتی کہ اپنی پوری سوسائٹی اور ملک و ملت کے لیے ایک نفع بخش اور مفید شہری بننے کی جستجو میں رہنا چاہیے۔ اسی روش میں ہی خالق فطرت نے انفرادی و اجتماعی عزت کا راز رکھا ہے۔

□□□

AL-RAZA International (Bimonthly)
Ahmad Publications Pvt. Ltd., Hira Complex, Qutubuddin Lane,
Near Dariyapur Masjid, Sabzibagh, Patna, Bihar (India) 800004

آپ کا محبوب رسالہ "الرضا انٹرنیشنل" اب پلے اسٹور پر دستیاب!



Google Play Store

AL-RAZA Network

'الرضا نیٹورک'

اب گوگل پلے اسٹور پر بھی دستیاب!

اپنے پلے اسٹور میں ٹائپ کریں
انگلش میں al raza network
یا اردو میں الرضا نیٹ ورک

آج ہی ڈاؤنلوڈ کریں اور حالات حاضرہ پر تازہ خبریں، مضامین، تبصرے اور اسلامی، تہذیبی، ثقافتی، علمی اور سائنسی موضوعات پر مقالات، فتاوی اور میگزین "الرضا انٹرنیشنل" پٹنہ کا شمارہ اپنے موبائل پر پابندی سے پڑھتے رہیں، ساتھ ہی اپنی پیاری زبان اردو کی ترویج واشاعت میں ہمارا عملی تعاون کریں۔ تفصیلی معلومات کے لیے ہماری ویب سائٹ

www.alrazanetwork.com

پر تشریف لائیں۔

Printed at: Ahmad Graphics, Patna #8521889323